ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

14تا20صفر المظفر1430ھ/10تا16فروری2009ء

## اقتصادی امراض کا بہترین علاج

''میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حدِّ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے۔ لیکن دنیا کو اس کے مضر نتائج سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے، جیسا کہ بالشویک تجویز کرتے ہیں۔ روسی بالشویزم یورپ کی عاقبت نااندیش اور خودغرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردِّعمل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشویزم دونوں افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بناء پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس مدّعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رو سے وہی راہ آسان اور قابل عمل ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا، ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے...... اس (اسلامی) مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے معاشی نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق وتولید ہو۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی پولیٹکل اکانومی پڑھ کر اکانومی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں، ان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔''

اقبال اور احیائے دین

خالد علوی

## اس شمارے میں

مجھے میرے دانشوروں سے بچاؤ!

توبہ اور اُس کے تقاضے

ملی یکجہتی: وقت کی اہم ضرورت

قرآن کریم کا چیلنج

آہ! مقبوضہ حیدرآباد (دکن)

میں تنظیم میں کیسے شامل ہوا؟

ظلم وبربریت کی بنیاد پر وجود میں آنے والے ممالک

مرتا ہوں خامشی پر......

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

الہدیٰ (358)

# سورۃ الاعراف

(آیت 59 اور مابعد کی تمہید)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اس سورت کا مرکزی مضمون تذکیر بایام اللہ ہے اور اس کا بڑا حصہ انباء الرسل پر مشتمل ہے۔ انبیاء اور رسل کا ذکر قرآن مجید میں مختلف انداز میں آتا ہے۔ انبیاء کا ذکر ہو تو اُن کے ذاتی محاسن، سیرت و کردار کی بلندی، اُن کے تقویٰ اور استقامت بیان کیے جاتے ہیں، یوں اُسے ہم قصص النبیین کہہ سکتے ہیں۔ قرآن حکیم میں سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی ذکر ہے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں آئی کہ حضرت یوسفؑ نے کہا ہو کہ مجھے مانو، ورنہ تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اور پھر قوم کو عذاب سے ہلاک بھی کر دیا گیا ہو۔ رسولوں کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ رسولوں کا ذکر ہو تو وہاں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے افراد کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو قوم نے کیا ردِعمل ظاہر کیا۔ قوم نے انکار کیا تو اُس کا کیا نتیجہ نکلا۔ ظاہر ہے کہ قومیں ہلاک ہوئیں۔ رسولوں کو تعیین کے ساتھ قوموں کی طرف بھیجا گیا۔ وہ اپنی قوم کے لیے عدالت بن کر آئے، یعنی اگر لوگ ایمان لے آئے تو خیریت، ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیے گئے۔ اس طرح رسولوں کے ذکر کو انباء الرسل کہا جاتا ہے۔ عام طور پر قرآن مجید میں چھ رسولوں کے حالات تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ رسول صرف یہ چھ ہی ہیں۔ رسول تو اور بھی بہت سے ہیں مگر یہ چھ وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے اور وہ ان کے جانے پہچانے علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے۔ تو ان چھ رسولوں میں سب سے پہلے رسول جن کا ذکر قرآن میں آتا ہے وہ نوح علیہ السلام ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے مگر اندازہ ہے کہ وہ آدمؑ سے دو ہزار سال بعد ہوئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

جس آبادی میں نوح علیہ السلام بھیجے گئے، دنیا میں پوری نسل انسانی ابھی صرف اُسی جگہ تھی۔ وہیں پانی کا عذاب آیا۔ وہیں کوہ جودی پر ارارات کا مقام ہے، جہاں اُن کی کشتی جا کر رکی تھی۔ جب قوم نے اُن کی دعوت قبول نہ کی تو پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا صرف چند افراد باقی بچے۔ اِس عذاب کے بعد نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام ہی کے تین بیٹوں ہی سے آگے چلی۔ سام کی نسل جنوب میں عراق کی طرف پھیلی، اس سے سامی قومیں وجود میں آئیں۔ ان ہی میں قوم عاد بھی تھی جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے۔ قوم عاد نے رسول کی دعوت قبول نہ کی تو عذاب کا نشانہ بنی۔ پھر مغربی سمت قوم ثمود کا علاقہ ہے جو جزیرہ نمائے عرب کا شمال مشرقی گوشہ ہے، یہاں حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے۔ اُن کی قوم نے بھی نافرمانی کی اور ہلاک کر دی گئی۔ ان کے مسکن وسیع و عریض اور نہایت شاندار تھے۔ اُن کے بڑے بڑے محلات آج بھی پہاڑوں میں موجود ہیں۔ میں خود وہاں جا کر دیکھ آیا ہوں۔ خلیج عقبیٰ کے دائیں طرف مدین کا علاقہ ہے، جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ یہاں سے ذرا آگے بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے جس کے ساحل پر سدوم اور عامورہ کی بستیاں ہیں، جہاں حضرت لوط علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ گویا یہ ساری قومیں عربوں کے جانے پہچانے علاقوں میں تھیں۔ ہاں قوم فرعون ذرا ہٹ کر مصر میں آباد تھی جہاں موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ زمانی اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام آئے اور بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی مگر اُن کا معاملہ انباء الرسل کا نہیں بلکہ قصص الانبیاء کے انداز میں قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام ہیں جن کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا گیا۔ ان ہی کے ایک بیٹے مدین تھے جن کی اولاد میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں آباد کیا گیا۔ حجاز میں ہی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ حضرت اسحٰق بن ابراہیمؑ فلسطین میں آباد ہوئے۔ اُن کے بیٹے حضرت یعقوبؑ ہیں، جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

## مصیبت زدہ کے ساتھ اظہار ہمدردی

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ)) (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔“

**تشریح:** موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت اور ترغیب دیتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مجھے میرے دانشوروں سے بچاؤ!

سجاد حیدر یلدرم اگر آج حیات ہوتے تو "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ" کے عنوان کی بجائے "مجھے میرے دانشوروں سے بچاؤ" کے عنوان سے معرکتہ الآراء مضمون لکھتے۔ ہم نے شہرۂ آفاق کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ آج کے آفاق میں شہرہ اسی شے کو نصیب ہوتا ہے جس پر امریکی یا کم از کم یورپی مہر تصدیق ثبت ہو۔ جس طرح کسی زمانے میں خبر وہ ہوتی تھی جو پائینر میں شائع ہوتی تھی، اسی طرح آج حقیقت وہ ہوتی ہے جو گوروں کی طرف سے منکشف ہو۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ برصغیر میں ہندو کی غلامی مسلمان کی غلامی سے بہت پرانی اور دیرینہ ہے جبکہ آزادی دونوں کو ایک ہی وقت میں یعنی 1947ء کو نصیب ہوئی۔ پھر مسلمانانِ پاکستان خصوصاً اُن کی ایلیٹ کلاس اور دانشور طبقہ ذہنی غلامی سے آزاد کیوں نہ ہو سکا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم 1947ء سے پہلے عسکری اور سیاسی لحاظ سے غلام ہونے کے باوجود آج کی نسبت غلامانہ ذہنیت کے بہت کم شکار تھے۔ ہماری غلامانہ ذہنیت کا پہلا مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب 1949ء میں قومی اسمبلی میں قراردادِ مقاصد منظور کی گئی تو کچھ اس طرح کے تبصرے سننے میں آئے کہ آج کے جدید جمہوری دور میں یہ اعلان کرنا کہ اللہ حقیقی مقتدرِ اعلیٰ ہے، (Sovereignty belongs to Allah) اس سے ہمارے سر دنیا کے سامنے شرم سے جھک گئے ہیں۔ نائن الیون تک یعنی پچاس سال مرعوبیت، احساسِ کمتری، ڈر، خوف ہماری رگوں میں بڑی آہستگی سے سرایت کرتا رہا، لیکن نائن الیون کے بعد تو ہم جست لگا کر آگے بڑھے اور امریکی غلامی کا پٹہ چوم کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور ہم غلام محض بن کر رہ گئے۔ نو سال میں Do more کی گردان سے ہماری جبیں کو زمین سے لگا دیا گیا۔ جہاں تک حکومتوں کا تعلق ہے وہ مشرف کی آمریت ہو یا زرداری مارکہ جمہوریت، اُن کی مجبوری ہے۔ اقتدار کی چاٹ میں وہ ملکی مفادات کی لوٹ سیل لگا دیتے ہیں۔ اُن کی غلامی قابل فہم ہے، ہم اِس وقت ذکر کریں گے اپنے ان ہم وطن دانشوروں کا جنہوں نے نائن الیون کے بعد امریکہ کے تمام دعوؤں اور الزامات کو حق اور سچ جانا۔ امریکہ نے اپنی فرمانبرداری اور اطاعت تک معاملہ محدود نہ رکھا بلکہ حکومت پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ بھارت کو بھی اپنا بڑا تسلیم کرے۔ حکمرانوں کی اطاعت کیشی قابل فہم ہے۔ ممبئی سانحہ میں حکومت پاکستان کا معذرت خواہانہ رویہ بھی اسی وجہ سے تھا۔ انتہائی قابل افسوس طرزِ عمل ہمارے دانشوروں کا ہے جن میں سے اکثر جب کالم لکھتے ہیں یا ٹی وی ٹاک شوز میں آتے ہیں تو بات کا آغاز یوں کرتے ہیں جیسے یہ بات تو طے شدہ ہے کہ ممبئی حادثے میں پاکستان کے ریاستی نہ سہی غیر ریاستی عناصر تو اس دہشت گردی میں لازماً ملوث ہیں۔ یہ بھی من وعن تسلیم کرتے ہیں کہ فاٹا اور شمالی وجنوبی وزیرستان میں ملکی اور غیر ملکی دہشت گردوں کے ٹولے عالمی امن کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔ علاوہ ازیں امریکہ اور یورپ جو الزامات ہم پر لگاتے ہیں وہ بغیر کسی تحقیق اور چھان پھٹک کے اس کی باقاعدہ تشہیر کرتے ہیں اور اُسے آگے بڑھاتے ہیں۔ چند روز پہلے ایک محترم اور محترمہ ٹی وی کے ایک پروگرام میں بتا رہے تھے کہ اُنہوں نے حال ہی میں بھارت کا دورہ کیا ہے، وہاں لوگوں کا بڑا غصہ ہے، اور اگر اس طرح کا کوئی اور حادثہ رونما ہو گیا تو پھر ہم پر قیامت ڈھا دی جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ بھارتی عوام کا غصہ بالکل درست ہے لیکن اس کا پاکستان سے کیا تعلق؟ بھارتی عوام کو اپنی حکومت پر غصہ اور برہمی کا اظہار اس لئے کرنا چاہئے کہ ممبئی کا جو ڈرامہ رچایا گیا ہے اس کا سکرپٹ اتنا کمزور کیوں تھا؟ بھارتی فوج 10 دہشت گردوں سے تین دن کیوں لڑتی رہی؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے دانشوروں کا اصل فرض تو یہ تھا کہ اس ڈرامے کا پوسٹ مارٹم کرتے۔ بھارت نے جتنے بے ہنگم اور مضحکہ خیز ثبوت فراہم کئے ہیں، انہیں کسی عدالت میں پیش کر کے کسی کو سزا دلانا تو بڑی دور کی بات ہے قابل سماعت ہی نہیں بنایا جا سکتا۔ ہمارے دانشوروں کو چاہئے تھا کہ دنیا کو بتاتے کہ بھارت نے اس دہشت گردی سے کیا فوائد سمیٹے اور مزید کیا فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ممبئی حادثے (باقی صفحہ 10 پر)

"تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

| | | |
|---|---|---|
| جلد 18 | 14 تا 20 صفر المظفر 1430ھ<br>10 تا 16 فروری 2009ء | شمارہ 6 |

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

# تاتاری کا خواب

[بالِ جبریل]

یکایک ہل گئی خاکِ سمرقند　　اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور!
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی　　صدا آئی کہ "میں ہوں روحِ تیمور
اگر محصور ہیں مردانِ تاتار!　　نہیں اللہ کی تقدیر محصور!
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے　　کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟
"خودی را سوز و تابے دیگرے دہ
جہاں را انقلابے دیگرے دہ"

1۔ تاتاری جو خواب دیکھ رہا تھا، اسی کے دوران ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا کہ پورے سمرقند کی زمین لرزہ براندام ہو گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے زبردست زلزلہ آیا ہے، حتیٰ کہ تیمور کی قبر بھی ہلنے لگی۔ اُس کی تربت سے روشنی کی ایک شعاع برآمد ہوئی۔ یہ منظر دیکھنے والے ششدر رہ گئے۔

2۔ امیر تیمور کی قبر سے جو شعاع برآمد ہوئی، ہر چند کہ اُس کا رنگ کافی سفید تھا، پھر بھی یوں لگتا تھا کہ شفق کی سرخی کی آمیزش بھی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس شعاع میں سے ایک آواز برآمد ہوئی کہ "میں روحِ تیمور ہوں اور تاتاری قبائل میں عدم اتحاد اور نفاق کے سبب ہر لحہ پریشان اور بے چین رہتی ہوں"۔

3۔ تاہم یہ حقیقت جان لو کہ اگر اہلِ ترکستان مصائب میں گھرے ہوئے ہیں اور ہر جانب سے دشمنوں نے اُن پر یلغار کر رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ بھی اُن کے نرغے میں آ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کی ہر شے پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہے، ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اس لیے تاتاری اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کریں تو وہ یقیناً اپنی رحمت و برکت سے نوازے گا۔

4۔ کان کھول کر سُن لو کہ عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے یہ امر لازم ہے کہ قوم و ملت آپس میں مل جل کر اور اتحاد و تعاون سے رہیں۔ ان میں نفاق اور ناچاقی نہ ہو۔ اسی صورت میں وہ ہر فتنے اور آفات کا مقابلہ کر کے سرخرو ہو سکتی ہیں۔ میں روحِ تیمور! ایک بار پھر تمہیں متنبہ کرتی ہوں کہ نفاق کے سبب ہی تمام مصائب و تکالیف کے ذمہ دار ہو۔ اگر حقیقی معنوں میں اور سچے دل اور نیت کے ساتھ اتحاد و اتفاق سے رہو اور مصائب کا پامردی سے مقابلہ کرو تو کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی تمہیں زیر نہیں کر سکتی کہ یہی عمل قوموں کی کامیابی اور کامرانی کا باعث ہوتا ہے۔

5۔ میرے عزیز تاتاریو! میری بات غور سے سنو۔ باعزت زندگی گزارنے کے لیے اپنی خودی میں تازہ حرارت اور تب و تاب پیدا کرو۔ تم اسی صورت میں نہ صرف یہ کہ اپنے دشمنوں کو زیر کر سکو گے، بلکہ ساری دنیا میں انقلاب برپا کر سکو گے۔ اس کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام پیدا کرو۔ باہمی نفاق سے گریز کرو، اور آخری بات یہ کہ احکامِ خداوندی کی ہر صورت میں پابندی کرو کہ یہی تمہارے لیے سربلندی اور نجات کا راستہ ہے۔

**کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ**

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ
مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس (2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کیلئے رابطہ:

**شعبہ خط و کتابت کورسز**

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

# توبہ اور اُس کے تقاضے

## مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ التحریم آیت 8 اور سورۃ الزمر آیت 54 کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آپ کے علم میں ہے کہ تنظیم اسلامی نے توبہ کی منادی کے عنوان سے قوم کو جگانے کی مہم چلائی ہے۔ گزشتہ خطاب جمعہ توبہ ہی کے حوالے سے تھا۔ کون نہیں جانتا کہ اِس وقت بحیثیت قوم ہم شدید خطرات میں گھر چکے ہیں۔ داخلی سطح پر بھی خلفشار ہے۔ فوج اور عوام کو آپس میں لڑایا جارہا ہے۔ اپنے ہی لوگوں کے خلاف فوجی آپریشن کیا جارہا ہے۔ خارجی سطح پر بھی ملک کو مشرقی اور مغربی دونوں جانب سے یلغار کا اندیشہ ہے۔ مغربی جانب سے تو آئے روز امریکہ کے ڈرون طیارے ہمارے سلامتی پر چرکے لگارہے ہیں، اور مشرقی جانب یعنی انڈیا کے ساتھ جو کشیدگی چلی آتی ہے، اِس کے تناظر میں یہ خطرہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے کہ کسی بھی وقت بھارت ہمارے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرلے۔ امریکہ بھارت کی پشت پر ہے۔ وہ نہ صرف اسے سپورٹ کررہا ہے، بلکہ اُسے Push بھی کررہا ہے۔ یہی نہیں، انڈیا کو صیہونی ریاست اسرائیل کی بھی مدد اور سپورٹ حاصل ہے۔ یوں یہود و ہنود اور نصاریٰ کی منحوس تکون پاکستان کو مٹانے کے درپے ہے۔ اس کے حصے بخرے کرنا اُن کی پلاننگ ہے۔ وہ بہت پہلے اپنے منصوبے بناکر انہیں عام بھی کرچکے ہیں۔ اب اُن کے عزائم کی تکمیل کا گویا آخری مرحلہ آگیا ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر طرف سے ہمارا گھیراؤ کرلیا ہے...... اس صورتحال کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ کل ہم نے "زمینی حقائق" کی رٹ لگا کر امریکہ کے ساتھ تعاون کی مجرمانہ پالیسی اپنائی تھی، جس کی سزا ہمیں یہ ملی کہ آج یہ جنگ ہمارے قبائلی علاقوں تک آگئی ہے اور ملک بدامنی و انتشار کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ آج ہم انڈیا کے ساتھ بھی ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوگئے ہیں، یہاں تک کہ ممبئی حملوں کے بعد جب کہا گیا کہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کو انڈیا بھیجو تو ابتدا میں ہم یہ مطالبہ بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ اِسی طرح امریکہ کے مقابلہ میں گاہے بگاہے وزیر دفاع بیان دیتے ہیں کہ ہم امریکہ کے مقابلے میں کمزور ہیں، لہٰذا ان سے نہیں لڑسکتے۔ یہاں تک آئی ایس آئی کے نئے چیف شجاع پاشا کی زبان سے بھی یہ بات کہلوادی گئی کہ ہم امریکہ کے خلاف سٹینڈ نہیں لے سکتے۔ مجھے اس موقع پر افغانستان کے وہ عظیم طالبان یاد آجاتے ہیں، جنہوں نے تمام تر بے سروسامانی کے باوجود امریکہ کی مزاحمت کا فیصلہ کیا، اور بے انصافی، بے اصولی، دھاندلی کے خلاف اُن کے ڈٹ جانے اور سٹینڈ لینے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک امریکہ پوری دنیا کی طاقت اکٹھے کرنے کے باوجود افغانستان میں اپنے قدم نہیں جماسکا۔

سوال یہ ہے کہ موجودہ زبوں حالی، اور دشمنوں کی جانب سے لاحق شدید خطرات میں ہمارے لیے راہ عمل کیا ہے؟ ہمارے لیے اصل راستہ جو ہمیں کامیابی دلاسکتا ہے، وہ اللہ کی جانب رجوع ہے۔ ہمیں اللہ کے مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اگر اللہ ہمارے پشت پر ہو تو کوئی بھی ہم پر غالب نہیں آسکتا۔ دشمن اپنی تمام تر سازشوں کے باوجود ناکام ہوجائے گا۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ

﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ﴾

(آل عمران:160)

"اور اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا"

اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾

"اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔"

اگر اللہ کی رحمت ہمارے شاملِ حال نہ ہوئی تو پھر ذلت و رسوائی کا یہ سفر یونہی جاری رہے گا، اور کہیں نہ رُکے گا۔ جیسا کہ مشرف گیا تو زرداری آگیا جو مشرف ہی کی طرح امریکہ کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اُسے بھی عوام اور ملک کی کوئی پروا نہیں۔ ظاہر ہے ہم بحیثیت قوم مغربی تہذیب، معاشرت اور طرزِ معیشت کو اپنائیں گے، اللہ کے دین سے بغاوت کریں گے تو پھر اس کا یہی انجام ہوگا۔ اللہ کی رحمت اور نصرت ہمیں حاصل نہ ہوسکے گی۔ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت مائل بہ کرم ہے، لیکن اگر ہم ہی سائل نہ بنیں، تو پھر کیونکر کامیاب ہوسکتے ہیں۔

اگر ہم کو اللہ کی نصرت اور رحمت حاصل کرنا ہے تو اس کا پہلا قدم اللہ کے حضور سچی توبہ ہے۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا ؕ﴾ (التحریم:8)

"اے اہل ایمان اللہ کی جناب میں سچی توبہ کرو"

توبہ کیا ہے؟ توبہ اپنا قبلہ درست کرنا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی گزارنے کے لیے ایک ضابطۂ حیات اور صراطِ مستقیم عطا کیا ہے، اور ہمیں اِس پر چلنا ہے اور اللہ کی بندگی اختیار کرنا ہے، لیکن عملاً ہمارا طرزِ عمل اِس کے برعکس ہے۔ ہم رحمان کے سیدھے راستے کے بجائے شیطان کے راستے پر چل پڑے ہیں اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے اللہ کی طرف رُخ کرنے کی بجائے اللہ کے دشمنوں کو قبلہ و کعبہ بنارکھا ہے۔ توبہ یہ ہے کہ اِس انحراف کو ختم کرکے اللہ کی جانب رجوع کیا جائے۔ سورۃ الزمر میں فرمایا:

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾

”اور اپنے رب کی طرف پلٹو اور اُسی کے سامنے سر جھکا دو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔“

توبہ میں پہلی شے اعترافِ گناہ اور ندامت ہے۔ شعوری طور پر یہ احساس ہو کہ یا رب مجھ سے زیادتی ہوئی ہے، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اس پر شرمندہ ہوں۔ پھر اللہ کے حضور درخواست کی جائے کہ اللہ مجھے معاف فرما دے، میں اب تیری نافرمانی کا راستہ ترک کرتا ہوں، میری زیادتی، خطا اور گناہ سے درگزر کر دے۔ تیسرے یہ کہ آئندہ کے لیے یہ پختہ عزم بھی ہو کہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا، محض یہ نہ ہو کہ زبان سے تو توبہ واستغفار کر رہے ہوں مگر گناہوں پر ندامت ہو اور نہ ہی انہیں ترک کر رہے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ توبہ نہیں۔ سورۃ الفرقان میں بھی توبہ کے بارے میں فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

”مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

اِس سے پچھلی آیت میں کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾

”اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔“

لیکن اِس آیت ”اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ“ میں یہ واضح فرما دیا کہ اگر جذبات کی رو میں بہہ کر، جہالت یا نادانی میں کسی گناہ کا ارتکاب ہو جائے تب بھی توبہ کا راستہ کھلا ہے۔ توبہ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا مظہر ہے۔ جو لوگ سچی توبہ کریں گے، اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا خواہ وہ کتنے بڑے کیوں نہ ہوں اور انہیں نیکی کے کاموں کی توفیق دے دے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کا گناہوں کا ڈھیر احد پہاڑ جیسا بھی ہو جائے، تو بھی اگر وہ سچی توبہ کرے تو اللہ سب گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

اِس آیت میں توبہ کے حوالے سے تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ پہلی شے احساسِ ندامت اور پشیمانی ہے۔ دوسری چیز تجدیدِ ایمان وتجدیدِ عہد ہے۔ وہ عہدِ بندگی جس کی تجدید ہم ہر نماز میں کرتے ہیں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ توبہ میں شعوری طور پر یہ عہد ہو کہ اللہ تعالیٰ میں پوری زندگی تیری ہی غلامی کروں گا، ہر کام تیرے اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالوں گا۔ تیسری چیز اصلاحِ احوال ہے۔ اپنے عمل کی درستگی ہے۔ آدمی غلط کام چھوڑ کر نیک اعمال بجالائے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو استغفار کا ورد ہو لیکن پرنالہ وہیں گر رہا ہو، سرکشی اور نافرمانی بدستور پہلے کی طرح ہو رہی ہو۔

﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ (الفرقان)

”اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔“

یعنی سچی توبہ ایسے شخص کی ہے جو توبہ کے ساتھ اپنے اعمال کی اصلاح کرتا ہے، غلط راستے کو ترک کر کے بندگی کے راستے کو اپناتا ہے، اُس وعدۂ بندگی کو پورا کرتا ہے جو ہم ہر نماز میں دہراتے ہیں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اور اُس معاہدہ کو بھی پورا کرتا ہے جو ہر صاحبِ ایمان نے اللہ سے کر رکھا ہے۔ یعنی جنت کے بدلے اپنی جان ومال اللہ کی راہ میں لگا دینا۔ اِس معاہدہ کا تذکرہ سورۃ التوبہ میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

”اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے، جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

ہم یوں تو جنت کے امیدوار ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک شخص اگر پیدائشی مسلمان ہے تو جنت کا حقدار ہے، لیکن اپنی بداعمالیوں کی ہمیں کوئی فکر نہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ ایمان جنت میں جائیں گے، کہ اللہ نے اُن سے یہ معاہدہ کیا ہے، لیکن یہ معاہدہ اس بات پر ہے کہ یہ جان ومال تمہارے نہیں، انہیں اللہ خرید چکا ہے۔ یہ اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں گے۔ یہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے خرچ ہوں گے، یہاں تک کہ قیامِ دین کی جدوجہد میں قتال کا مرحلہ آیا تو وہاں بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا ہوگا۔ ظاہر ہے جب ہم جان ومال اللہ کے ہاں بیچ چکے تو پھر انہیں اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں گے۔ ہمیں پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی بات کا حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ)

”مومنو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔“

ظاہر ہے کہ یہ دین محض مسجد اور نماز روزے تک محدود نہیں، بلکہ پوری زندگی کو اپنے سانچے میں ڈھال لینا چاہتا ہے۔ خواہ یہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، خانگی ہو یا سماجی، سیاسی ہو یا معاشرتی اور معاشی۔ ہمیں زندگی کے ہر میدان میں اللہ کی اطاعت کرنا ہے...... اور شیطان کے نظام سے بچنا ہے۔ شیطان کا ایک اپنا نظام ہے۔ ہر وہ نظام شیطانی ہے جو شریعت سے متصادم ہو۔ سیاست میں شیطانی نظام کا اصل الاصول غیر اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا تصور ہے، خواہ یہ حاکمیت کسی ایک انسان کا حق قرار دیا جائے یا انسانوں کی جماعت کا۔ ماضی میں اقتدارِ اعلیٰ فردِ واحد کے پاس ہوتا تھا اور یوں شیطانی اور ابلیسی نظام بادشاہت کے پردہ میں چلتا تھا۔ موجودہ دور میں یہ نظام حاکمیتِ جمہور (یعنی جمہوریت) کی صورت میں دنیا میں رائج ہے۔ اللہ کا نظام جسے اختیار کرنا ضروری ہے وہ خلافت ہے۔ اِس نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ انسانوں کا حق نہیں، اللہ کا حق ہے۔ انسان اللہ کا نائب ہے۔ وہ قانون سازی کر سکتا ہے، مگر یہ کام وہ اللہ کے دیئے گئے دائرہ اختیار کے تابع رہتے ہوئے کرے گا۔ نظامِ خلافت میں عوام کے نمائندے سو فیصد اکثریت کے ساتھ بھی کسی حرام چیز کو حلال نہیں کر سکتے، جبکہ سیکولر جمہوریت میں محض سادہ اکثریت سے وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اِسی سیکولر جمہوریت کا کیا دھرا ہے کہ ہماری پارلیمنٹ نے

تحفظِ حقوقِ نسواں بل کے نام سے ایک ایسا قانون بنایا، جسے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ یہ تو شیطان کا سیاسی نظام ہے۔ اسی طرح شیطان کا معاشی نظام ہے، جس کی اساس سود پر استوار ہے۔ پھر یہ کہ شیطان کا معاشرتی نظام ہے جو بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دیتا ہے۔ زندگی کے ہر معاملے میں ہمیں شیطان کی پیروی سے یہ کہہ کر منع کر دیا گیا ہے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، لہٰذا اُس کے پیچھے نہ چلنا، وہ تمہاری عاقبت برباد کر دے گا۔

توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان یہ طے کرے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت سب سے مقدم شے ہو گی۔ گھر کے اندر بھی انہی تعلیمات پر عمل ہو گا جو قرآن و سنت نے دی ہیں۔ رزق کمانے کے لیے بھی وہی ذرائع اختیار کیے جائیں گے جو شریعت سے متصادم نہیں۔ ان میں کوئی چیز حرام نہ ہو گی۔ افسوس کہ آج ہم ہوسِ مال میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھتی جا رہی ہے۔ اس بات کا احساس ہی نہیں رہا کہ جس ذریعہ سے پیسہ آ رہا ہے، آیا وہ حلال بھی ہے یا نہیں۔ بس پیسہ آنا چاہیے، خواہ وہ کسی بھی ذریعے سے آئے، یہی ہمارا مطمحِ نظر بن چکا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ طے کریں کہ شعوری طور پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے، اور اللہ کی جانب سے عائد کردہ فرائض و واجبات کو بھی ادا کریں گے۔ فرائضِ دینی میں اقامتِ دین کی جدوجہد بھی شامل ہے۔ ہم یہ فیصلہ کریں کہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے اپنی جان، مال اور صلاحیتیں لگائیں گے، اور اللہ سے بغاوت پر مبنی نظام سے کسی صورت سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ نظام شیطانی ہے۔ اور اس پر اللہ کی جانب سے سخت وعید ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ)

”اور جو لوگ اس چیز کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کی ہے، وہی تو کافر ہیں۔“

اجتماعی توبہ کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم ان جرائم کا ازالہ کریں، جن میں بحیثیت مجموعی ہم قیامِ پاکستان کے بعد سے ملوث چلے آ رہے ہیں۔ ہم مسلمانانِ پاکستان کا سب سے بڑا جرم نفاذِ اسلام سے پہلوتہی ہے۔ ہم نے یہ ملک نفاذِ اسلام کے وعدے پر حاصل کیا تھا۔ ہندوؤں سے ہمارے سیاسی اختلاف کی اصل بنیاد یہی تھی کہ ہم متحدہ ہندوستان کی صورت میں اسلامی ضابطۂ حیات کو نافذ و قائم نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی، لہٰذا ہم نے مطالبہ کیا کہ ہمیں ایک الگ خود مختار خطۂ زمین دیا جائے، جہاں ہم اپنے دین کو قائم کریں، اسلامی نظریۂ زندگی کو اپنائیں اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا نقشہ دنیا کو دکھائیں۔ اسی لیے تو ”پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ“ کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہاں نوے فیصد سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ چاہیے تھا کہ اسلامی نظام نافذ کیا جاتا۔ اس کے باوجود اگر ہم نے اسلام کو قائم نہ کیا، شریعت سے منہ موڑا اور ابلیسی نظام کو تحفظ دیا تو یہ بہت بڑا اجتماعی جرم ہے، یہ دین سے بے وفائی اور غداری ہے۔ جب تک ہم اِس جرم کا ازالہ نہیں کریں گے، ہمارے حالات میں بہتری نہیں آئے گی۔ جب تک نفاذِ اسلام کی جانب پیش قدمی نہیں ہو گی اللہ کی رحمت اور نصرت ہمارے شاملِ حال نہ ہو گی۔ قرآن حکیم کا دوٹوک فیصلہ ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ (سورۃ محمد:7)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔“

اللہ تو خود القوی ہے، العزیز ہے، اُسے ہماری مدد کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ کی مدد سے مراد یہ ہے کہ باطل نظام کو اکھاڑ کر اُس کے دین کے غلبہ کی جدوجہد کی جائے۔ یہ عجیب بات ہو گی کہ آپ کے سامنے کفر کا غلبہ ہو، ابلیسی تہذیب اور شیطانی معاشرت فروغ پا رہی ہو، اللہ تعالیٰ کی بجائے اقتدارِ اعلیٰ انسانوں کا حق قرار دیا جا رہا ہو، اللہ کی بغاوت پر مبنی نظام جاری و ساری ہو —— اور آپ اپنی تسبیحات میں لگے رہیں۔ یاد رکھو، اگر ایسا ہے تو پھر اللہ تمہاری مدد نہیں کرے گا۔

اللہ کی مدد تب آئے گی جب آپ انفرادی زندگی میں بھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنا اصل الاصول بنا لیں اور حیاتِ اجتماعی کو بھی اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی منظم اور سنجیدہ کوششیں کریں، اس کام کے لیے اپنے جسم و جان کی صلاحیتیں، توانائیاں اور اپنے اوقات وقف کر دیں۔ یہی آپ کی وفاداری کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو کھول دینا چاہتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو غیب میں رہتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرنا چاہتے ہیں، جو صحیح معنوں میں وفادار ہیں، اور نظامِ باطل کو کسی صورت گوارا نہیں کر سکتے۔ شریعت کی دھجیاں بکھرتے نہیں دیکھ سکتے۔ غیر اسلامی نظام اور ماحول میں اُن کی رات کی نیندیں حرام ہوتی ہیں۔ اگر قوم کا قابلِ ذکر حصہ اس چیز پر آمادہ ہو جائے تو یقیناً اللہ ہمارے قدم جما دے گا، ہمارے حال پر رحم فرمائے گا اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں اور خطرات سے ہمیں محفوظ رکھے گا۔

یہی مضمون ایک اور مقام پر بڑے مؤکد انداز میں دہرایا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج:40)

”اور اللہ لازماً اُن کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔“

لیکن میں پھر عرض کر دوں کہ حالات تب بدلیں گے جب قوم کا قابلِ ذکر حصہ اپنا قبلہ درست کرے گا۔ 100، 80 یا 50 فیصد نہ سہی، کم از کم 25،20 فیصد لوگ تو اپنا قبلہ درست کریں، اور فرائضِ دینی کی ادائیگی پر آمادہ ہوں۔ اس کے بغیر حالات میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ بہت سے نبی اور رسول جدوجہد کرتے رہے، لیکن چونکہ ان کی قوم نے بحیثیتِ مجموعی اُن کی دعوت کا انکار کر دیا، اور انہیں صرف معدودے چند ساتھی ہی میسر آئے، لہٰذا دنیا میں حالات نہیں بدلے۔ دنیا میں مسلمانوں کی اجتماعی حالت میں سدھار تب آئے گا، جب ہمارا اجتماعی قبلہ درست ہو گا۔ ہاں آخرت کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ دنیا میں جو لوگ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کوشاں رہے، انہیں یہاں کامیابی نہ بھی ہوئی تو آخرت میں اللہ انہیں سرخرو کرے گا، انہیں کامیابی عطا کی جائے گی، تاہم ضروری ہے کہ وہ پورے دین پر چلیں، کسی ایک جزو کو کل دین نہ سمجھ بیٹھیں۔ وہ عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات ہر معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ کی دی گئی تعلیمات کو اختیار کریں۔ ایسا نہ ہو کہ دین کے جو حصے اور تعلیمات آسان لگتی ہوں، اُن کو تو اپنایا جائے اور جو مشکل دکھائی دیں، انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اس روش کا انجام دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں دردناک عذاب۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرہ)

”(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں۔ اور جو کام تم کرتے ہو، اللہ ان سے غافل نہیں۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اور وطنِ عزیز کو پوری دنیا کے لیے خلافت کا رول ماڈل بنائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

# قرآن کریم کا چیلنج

محمد سمیع

قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کے آغاز ہی میں اس کے قاری کے سامنے ایک دعویٰ پیش کیا گیا ہے اور وہ دعویٰ یہ ہے کہ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں"۔ دنیا کی کسی کتاب کے بارے میں یہ چیلنج نہیں پیش کیا جاسکتا، کیونکہ انسانی کلام میں غلطی کا امکان ناگزیر ہے۔ خود انسانی خیالات و نظریات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہ سارا معاملہ انسانی تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جو پاک و بے عیب بھی ہے اور ظاہر و باطن کا علم رکھنے والا بھی ہے۔ اس نے جہاں یہ کائنات تخلیق کی ہے، وہاں اس کے نظم و نسق بھی وہی چلا رہا ہے۔ اس کا علم لامحدود ہے۔ ماضی، حال و مستقبل کی باتیں اس پر عیاں ہیں۔ لہٰذا اس کے کلام میں کسی شک کی کوئی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔

جب قرآن مجید نازل ہوا تو کفار و مشرکین نے اس کے بارے میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ کبھی کہا گیا کہ محمد (ﷺ) نے ایک عجمی غلام کو قید کر رکھا ہے جو یہ کلام گھڑ رہا ہے۔ عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے سوا دنیا کی تمام قوموں کو عجمی کہتے تھے۔ انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیا گیا کہ قرآن عربی زبان میں ہے، تو یہ بھلا کس طرح ممکن ہے کہ ایک عجمی عربی مبین میں کلام پیش کر سکے۔ اس سے خود عربوں کے اپنے دعویٰ پر زد پڑتی تھی۔

کفار و مشرکین نے یہ بھی الزام لگایا کہ محمد (ﷺ) نے خود اس کلام کو بنایا ہے۔ اس الزام کو مسترد کرتے ہوئے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر انہیں چیلنج کیا گیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی انسان ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہے تو تم خود ایسا کوئی کلام بنا لاؤ۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 88 میں گروہ جن و انس کے سامنے چیلنج پیش کیا گیا کہ "(آپ) کہہ دیجئے کہ اگر انسان و جن اس پر مجتمع ہوں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے، اگرچہ یہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔" ایک مقام پر انہیں دس سورتیں بنا لانے کا چیلنج دیا گیا۔ سورۂ ھود آیت نمبر 13 میں فرمایا گیا "یہ کیا کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے قرآن از خود بنا لیا ہے۔ کہہ دو، اگر تم سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔" دو مقامات پر انہیں ایسی ایک سورت ہی بنا لانے کا چیلنج پیش کیا گیا۔ سورۂ یونس آیت نمبر 38 میں فرمایا گیا "کیا لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی اسی طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو بلا لو۔" سورۃ البقرہ آیت نمبر 24-23 میں فرمایا گیا "اگر تم اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

غور کی بات یہ ہے کہ یہ چیلنج صرف عرب کے کفار و مشرکین کو ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کو پیش کیے گئے کیونکہ ہر چیلنج میں یہ بات شامل ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ بلکہ صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ گروہ جن بھی اس چیلنج میں شامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نزول قرآن کے زمانے سے لے کر آج تک دنیا کی کسی قوم کی کسی فرد نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ جب خود عرب اس سے قاصر تھے جن کی زبان میں یہ کلام نازل ہوا تو دوسری اقوام کے لوگ کب اس کی جرأت کر سکتے تھے۔

ایام جاہلیت میں ایک دستور تھا کہ عرب ہر سال اپنے شعراء میں سے کسی کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر اس کا اکرام کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک نے اسلام قبول کرنے کے بعد شعر گوئی ہی ترک کر دی۔ جب کسی نے اس سے سوال کیا کہ وہ اب شاعری کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے خود اس سے کہا کہ کیا قرآن کے بعد بھی (شاعری کروں)؟

قرآن مجید کی آیات پر اگر تدبر کیا جائے جس کا مطالبہ خود قرآن حکیم میں موجود ہے تو قاری کو اس کے ہر صفحے پر اس بات کا ثبوت مل سکتا ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کی مثالیں بھی ہیں اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کی بھی۔ اس پر کفار و مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس میں گھٹیا چیزوں کی مثالیں کیوں پیش کی گئی ہیں۔ اس کا جواب سورۃ البقرہ میں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ وہ مکھی و مچھر جیسی چیزوں کی مثالیں دے بلکہ ان چیزوں کی بھی جو گھٹیا پن میں ان سے بھی اونچی ہوں۔ سورۃ النور میں ایک مثال دی گئی ہے کہ "(ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو، غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔" (آیت 40) یہ مثال ان کفار و مشرکین کے لئے دی گئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نور وحی سے محروم کر دیا ہو۔ اب اگر حضور ﷺ کی حیات طیبہ پر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی بحری سفر اختیار ہی نہیں کیا تو اس نتیجے پر پہنچے بنا نہیں رہا جاسکتا کہ یہ کلام اس ہستی کا ہو ہی نہیں سکتا جس نے کبھی بحری سفر نہ کیا ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک فرانسیسی ایڈمرل کو

> نوجوان نسل جب یہ دیکھتی ہے کہ ایک شخص نماز بھی پڑھتا ہے اور رشوت بھی لیتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہے، حج بھی کرتا ہے اور لوگوں کے مال ہڑپ کرنے سے باز بھی نہیں آتا، تو وہ دین کے بارے میں الجھن میں گرفتار ہو جاتی ہے۔
> ہمیں اس دورنگی کو ختم کر کے اسلام میں پورے طور پر داخل ہونا ہوگا

اس آیت پر غور کے نتیجے میں قبول ایمان کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ لہٰذا اس میں کسی شک وشبہے کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی بات ہے جو سورۃ البقرہ کے آغاز میں فرمائی گئی ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم اپنی بداعمالیوں کی بناء پر نوجوان نسل کے دلوں میں کلام الٰہی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا گیا" اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شبہہ کی الجھن میں پھنسے ہوئے ہیں۔" نوجوان نسل جب یہ دیکھتی ہے کہ ایک شخص نماز بھی پڑھتا ہے اور رشوت بھی لیتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہے، حج بھی کرتا ہے اور لوگوں کے مال ہڑپ کرنے سے باز بھی نہیں آتا۔ جب یہی نوجوان نسل یہ دیکھتی ہے کہ ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کو ماننے والے فرقہ بندی میں مبتلا ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی گردن مار رہے ہیں۔ جب اس کے سامنے کوئی یہ کہتا ہے کہ آج کے دور میں سود کے بغیر کاروبار ممکن نہیں، تو وہ کس قدر الجھن میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

جب ہمارے قائدین یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے لیکن وہ خود اپنے اوپر شریعت نافذ نہیں کرتے تو اس وقت اُن کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جب ہم قرآن کریم کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو اس میں دیئے گئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صدق دل سے عمل کریں۔ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ کرنے کا حکم دیتا ہے اور جن باتوں سے منع کرتا ہے، ہمارا طرز عمل بھی اُن کے مطابق ہی ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں ایک اہم حق اس پر عمل کرنا بھی ہے۔

### تنظیمی اطلاع

امیر تنظیم اسلامی نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 24 دسمبر 2008ء میں مشورہ کے بعد جناب جنید نذیر کو سیالکوٹ شمالی تنظیم کا امیر مقرر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

# ملی یک جہتی......وقت کی اہم ضرورت

انجینئر طارق خورشید

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کائنات کے تمام موجودات سورج، چاند، ستارے، دن، رات اور موسموں کا آنا جانا ایک دوسرے کے تعاون سے ہی اس فضائے بسیط کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ جب تک خالق کائنات کا یہ نظام چلتا رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ ایسے ہی گھر کے افراد، کسی ملک کے باشندے اور کسی قوم کے نمائندے ہوتے ہیں۔ تمام مسلمان بغیر کسی جغرافیائی تقسیم کے ایک قوم ہیں۔ جس طرح کسی گھر کا نظم ونسق چلانے کے لئے تمام افراد اپنی اپنی جگہ سعی وجدوجہد کرتے ہیں، اسی طرح ہر شخص "ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ" کے مصداق اپنی جگہ اہم ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہماری ہر سوچ ذاتی مفاد، خود غرضی اور کنبہ پروری تک محدود نہ ہو بلکہ ہمارا عمل ملتِ اسلامیہ کو چار چاند لگانے والا ہو۔ مسلمان قوم اُس وقت تک ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتی اور "منصب خلافت" پر فائز نہیں ہو سکتی جب تک اپنے فرائض کی بجا آوری میں امانت ودیانت اور اتحاد واتفاق کو پیشِ نظر نہ رکھے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

آپ ذرا کائنات کے نظام یک جہتی پر تو غور کیجئے، زمین کیا ہے؟ مختلف ذرات کا یکجا ہونا۔ پہاڑ کیا ہیں؟ لاکھوں چھوٹی بڑی کنکریوں کا مجتمع ہونا۔ انسان کیا ہے؟ مختلف عناصر کا اکٹھا ہونا اور موت کیا ہے؟ اُن عناصر کی باہمی گرفت اور اتحاد کا ختم ہو جانا۔ گویا کہ کائنات کی ہر چیز ہمیں درسِ اتحاد دے رہی ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور و ترتیب
موت کیا ہے اِنہی اجزاء کا پریشاں ہونا

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جس قوم نے اتحاد واتفاق اور یکجہتی ویگانگت کا مظاہرہ کیا، کامیابی وکامرانی اور فتح ونصرت نے اُس کے قدم چومے اور جس قوم میں بغض وعناد، کینہ وکدورت اور افتراق وانتشار نے جنم لیا وہ پاتال کی گہرائیوں میں جا گری۔ کارل مارکس اور لینن کے نظریات پر جمع ہونے والی روسی قوم انقلاب روس کا باعث بنی۔ تاریخ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا ایک شاندار اور درخشندہ ماضی ہمیں دعوت فکر دے رہا ہے کہ مسلمانو دیکھو، جب تم ایک قوم تھے تو دنیا تمہارے قدموں تلے تھی۔ لنگڑی لولی ترک خلافت بھی مخالفین کی آنکھ کا کانٹا تھی۔ جب تمہارے دلوں میں اتحاد تھا اور سینوں میں ایمان کی شمع روشن تھی تو تم دنیا پر غالب تھے۔ آج جب تم ایک مسلمان قوم کی بجائے مختلف ملکوں اور مختلف علاقوں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہو تو دنیا کے سامنے ایٹمی طاقت ہو کر بھی ہاتھ جوڑ رہے ہو۔ یہود وہنود کی سازشیں رنگ لا رہی ہیں اور تم ہر جگہ ذلیل وخوار ہو رہے ہو۔

ہم اُلٹ دیتے ہیں صدیوں کے نقاب
ہم زمانوں کی خبر رکھتے ہیں

اور

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

**تمام کلمہ گو مسلمان ایک قوم اور ایک ملت ہیں۔ دین مبین کسی جغرافیائی حد کا قائل نہیں، جب تک یہ نظریہ ذہنوں میں راسخ نہیں ہو جاتا مسلمان یونہی در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہے گا**

اسلام ایک فطری اور عالمگیر دین ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی لڑی میں پروتا ہے۔ تمام کلمہ گو مسلمان ایک قوم اور ایک ملت ہیں۔ دین مبین کسی جغرافیائی حد کا قائل نہیں، جب تک یہ نظریہ ذہنوں میں راسخ نہیں ہو جاتا مسلمان یونہی در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔ اسلام مسلمانوں کو یکجا ہونے کے لئے ایسا قرآنی منشور "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" دیتا ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی عظمت رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کی عظمت ورفعت کے غیر مسلم بھی معترف ہیں۔ یہ بلاشبہ حبل المتین ہے، خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تک قرآن وسنت کی تعلیمات پر اکٹھے رہو گے

کامیاب رہو گے۔" آج ہم قرآن و سنت کی بجائے مختلف قوموں اور قبیلوں کی بنیاد پر اکٹھے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ مسلمان ہی مسلمان کا دشمن نظر آتا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

نبی کریم ﷺ تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہیں کہ جسم کے ایک حصے میں اگر درد ہو تو تمام جسم تکلیف محسوس کرے، کجا یہ عالم ہے کہ ہندو درندوں کا شکار بننے والی ہماری کشمیری بہنیں کسی طارق بن زیاد اور محمود غزنوی کو پکار رہی ہیں تو غزہ میں برسنے والے گولے ہماری بے حسی میں مزید اضافہ کر رہے ہیں اور فلسطینی کٹھ پتلی حکومت اپنی بقا کی جنگ کو شکست کے لفظ سے بچانے کے لیے اسرائیل سے غلامانہ عہد و پیماں کرنے پر مجبور ہے۔ رہی پاکستان کی بات، جو اسلام کے نام پر بننے والا دنیا کا واحد ملک ہے، تو وہ غیر مسلموں کو اپنے بنیاد پرست نہ ہونے اور ایٹمی پروگرام کے پرامن ہونے کا یقین دلانے پر مجبور ہے۔ آج مغرب کی وادیوں میں رسولِ ہاشمی ﷺ پر بنائی گئی توہین آمیز فلموں کی نمائش ہو رہی ہے، مختلف کارٹون، کتابیں اور سینکڑوں رسالے بر سرِ عام تقسیم ہو رہے ہیں۔ سوامی شردھانند جیسے ہزاروں افراد شدھی و سنگھٹن جیسی قابل نفرتیں تحریکوں کا آغاز کر رہے ہیں، لیکن کسی عبدالرشید کا دل محوِ اضطراب نہیں۔ شہید محمد صدیق اور عبدالقیوم شہید اب کہاں ہیں، جو آج راجپال کو سرکشی کا مزہ چکھائیں، آج سینکڑوں راجپال پھر اُمتِ مسلمہ کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر اس کی وفاؤں کا امتحان لینا چاہتے ہیں مگر امت خوابِ خرگوش میں مدہوش ہے جب کہ کل ایک راجپال کے لئے کئی علم الدین مضطرب ہو جاتے تھے کیونکہ ان کا پختہ ایمان تھا کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں!!
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ذرا اخبارات اُٹھا کر دیکھئے ہر سمت مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم ہے، ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی نا اتفاقی کی انتہا دیکھئے کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ مسلمان، مسلمان کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ OIC بالفعل OH I SEE بن چکی ہے۔ امریکہ و روس اور یہود و ہنود کا عریانی و فحاشی، بے حیائی و یاوہ گوئی کا حملہ ہماری یکجہتی اور آزادی کو بڑی تیزی سے ختم کر رہا ہے۔ لیکن ہم ہیں مسلمان، ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، مجال ہے جو ایک دن کے لئے سہی ہم نے یہودی مصنوعات اور ہندوؤں کے فحش چینلز کا بائیکاٹ کیا ہو۔ ہم تو اتحاد و اتفاق کے تمام دروس بھلا کر یکجہتی کے تمام قاعدوں کو پس پشت ڈال کر اور یگانگت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ہی روز و شب میں مگن ہیں۔ اگر ہمارا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب، خاکم بدہن، اس دنیا میں کوئی اسلام کا نام لیوا نہ رہے گا۔

چیونٹیوں میں اتحاد، مکھیوں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے

ایک سو پچاس کروڑ (پچیس کروڑ عرب باقی غیر عرب)، اگر اتنی تعداد میں قطرے اکٹھے ہو جائیں تو ایک بحرِ ناپیدا کنار وجود میں آ سکتا ہے، اس قدر ذرے اگر مجتمع ہوں تو ایک ناقابلِ عبور صحرا جاگ اُٹھے، اتنی تعداد میں آندھیوں کے گلے ملنے سے دنیا خس و خاشاک کی مانند اُڑنے لگے اور اس قدر پتھر یکجا ہو کر ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تعمیر کر سکتے ہیں، مگر کیا وجہ ہے کہ تمام دنیا کے باسیوں میں ہر پانچواں شخص مسلمان ہونے کے باوجود ہم ذلیل و خوار ہیں۔ وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے قرآن و سنت سے انحراف کیا۔ نبی ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا۔ اسلام کے نام پر ملک حاصل کر کے بھی آج تک نفاذِ اسلام سے منہ موڑا۔ مالکِ حقیقی کے حضور سچے دل سے توبہ نہ کی۔ نتیجہ معلوم کہ ہم باہمی افتراق و انتشار میں مبتلا ہو گئے۔

اگر آج ہم میں سے ہر ایک یہ عہد کرلے کہ وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو مسلمان سمجھے گا اور صرف قرآن و سنت ہی کو ملتِ اسلامیہ کا Binding Material جانے گا، پھر اپنے آپ کو بتدریج پاکستانی اور پھر کہیں سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان سمجھے گا تو وہ دن دور نہیں جب پوری دنیا پر مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

## بقیہ: اداریہ

سے پہلے کشمیر میں غیر مسلح خالصتاً مقامی سطح پر زوردار عوامی تحریک جاری تھی، جسے خود بھارت نے Indigenous تحریک قرار دیا اور یورپ نے اس تحریک کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس تحریک سے بھارت زبردست پریشان ہو چکا تھا۔ یہ تحریک ممبئی حادثے کی نذر ہو چکی ہے، جو بھارت کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اوبامہ نے صدر کی حیثیت سے حلف اُٹھانے سے پہلے مسئلہ کشمیر کے حل پر زور دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس کام کے لئے اپنا خاص نمائندہ مقرر کریں گے جو فریقین سے گفتگو کر کے مسئلہ کشمیر کو حل کرانے کی کوشش کرے گا۔ بھارت کو اس بیان پر بڑی تشویش تھی۔ پہلے ایک وفد بنا کر امریکہ بھیجا گیا، جب وہ ناکام ہوا تو ممبئی ڈرامہ رچا کر بھارت مظلوم بن گیا۔ دانشوروں کا اصل فرض تو یہ ہے کہ دنیا کو بتائیں کہ اس شور شرابے میں اُس نمائندے کا کیا ہوا؟ رچرڈ ہالبروک جنہیں پاکستان بھارت اور افغانستان کے لئے نمائندہ بنایا گیا تھا، اس حادثے کے بعد حالات اور بھارتی لابی کے دباؤ کا اثر قبول کرتے ہوئے، اُن کے دائرہ اختیار سے بھارت کو نکال دیا گیا ہے۔ یہ بھی بھارت کی بہت بڑی کامیابی ہے اور یہ ممبئی حادثے کی بدولت اُسے ملی۔ دانشور دنیا کو یہ بھی بتائیں کہ پاک بھارت مذاکرات جن کے بارے میں بھارت کا رویہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے نشستند گفتند برخاستند کا سلسلہ چل رہا تھا، بھارت نے محسوس کر لیا تھا کہ مزید التوا اب ممکن نہیں رہا اور مذاکرات کے حوالہ سے اُسے کشمیر اور دوسرے تنازعات پر فیصلہ کن بات کرنا پڑے گی۔ اس حادثے کا بھارت نے پہلا فائدہ یہ حاصل کیا کہ ان مذاکرات کو غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ بھارت بار بار یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ممبئی حادثوں کا کشمیر سے کوئی تعلق نہ جوڑا جائے۔ ہمیں اپنے دانشوروں کو یہ سب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی، وہ سب کچھ جانتے ہیں، لیکن خوف، ذہنی مرعوبیت اور احساسِ کمتری نے انہیں بھارت کا ہمنوا بنا دیا ہے۔ انہیں خوف ہے، وہ سمجھتے ہیں ترلے منت کرنے سے بھارت کے جارحانہ رویہ کو صلح صفائی میں بدلہ جا سکتا ہے۔ اندر کے خوف نے انہیں انتہائی بزدل بنا دیا ہے اور وہ یہ بزدلی اور بے حمیتی عوام کو منتقل کر رہے ہیں۔ وہ عوام کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ڈرو بھارت سے کہ وہ ایک بڑی طاقت ہے اور اُسے امریکہ کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ لہٰذا ہاتھ جوڑ کر اور پاؤں پڑ کر یہ وقت نکالا جائے۔ لیکن اللہ کے فضل و کرم سے قوم اُن کی اس خوف پر مبنی اور پسپائی کی پالیسی کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہی ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے مجھے میرے دانشوروں سے بچاؤ! مجھے میرے دانشوروں سے بچاؤ!!

# آہ! مقبوضہ حیدرآباد (دکن)

**بھلا ہو ممبئی بم دھماکوں کی کہانی لکھنے والے ڈرامہ نگار کا جس نے اپنے ذہن کے منفرد آئیڈیا کو الفاظ کا رنگ دے کر دنیا میں حیدرآباد دکن کے اندوہناک قضیے کی یاد تازہ کر دی**

انجینئر مختار فاروقی

ساٹھ سال پرانی بات ہے۔ ہماری نئی نسل کو شاید یہ معلوم ہی نہ ہو کہ برطانوی ہند کی تقسیم میں مقبوضہ کشمیر کی طرح مسلمانوں کی ایک ریاست ایک مقبوضہ حیدرآباد دکن بھی ہے، اور مزید یہ کہ ایک مقبوضہ ریاست جوناگڑھ بھی ہے۔ (یاد رہے کہ جوناگڑھ بحیرہ ہند کا ساحلی شہر ہے، کراچی اور ممبئی کے تقریباً درمیان میں۔ اور اس ریاست کی اہمیت اس بات سے اور بھی زیادہ اجاگر ہوتی ہے کہ سومنات کا مشہور زمانہ مندر جسے سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ نے 1026ء میں فتح کر کے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا وہ جگہ اسی ریاست کا حصہ ہے اور بھارت نے اس ریاست پر ناجائز قبضہ کر کے 1947ء کے بعد وہ سومنات کا مندر دوبارہ تعمیر کیا ہے اور اس کا قیمتی دروازہ جو سلطان محمود غزنوی افغانستان لے گیا تھا وہ 1970ء کی دہائی میں افغانستان سے واپس لے کر دوبارہ وہیں نصب کر دیا گیا ہے)

مقبوضہ حیدرآباد دکن کا تذکرہ نوک قلم پر اس لئے آ گیا کہ زندہ قومیں اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے ادھورے کاموں کو مکمل کرنے کا عزم تازہ رکھتی ہیں، اس لئے کہ اجتماعی اور قومی زندگی میں کئی کام صدیوں میں تکمیل پذیر ہوتے ہیں، جس میں کئی نسلیں اپنے اپنے حصے کا کام سرانجام دے کر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔ تحریک پاکستان بھی ایک ایسی ہی جدوجہد کا نام ہے جو کئی نسلوں میں حصول پاکستان تک پہنچی اور ابھی اسے "قوت و اخوت عوام" بننے اور "ترجمان ماضی" اور "شان حال" کا روپ دھارنے میں کئی مشکل گھاٹیاں اور غرقاب در پیش ہیں جبکہ "شان استقبال" کا "نظارہ دیرینہ" دنیا کو دکھانے کا مرحلہ اس کے بعد ہے۔ یا یوں کہئے کہ ابھی تو ہمارا ملک اور حکمران امریکہ بہادر کے "سائے" میں خوشحالی اور روشن خیالی کے مزے لوٹ رہے ہیں جبکہ عوام پانی اور بجلی کے بغیر اس "اندھیر نگری" میں پتھر کے زمانے کے قریب جا پہنچے ہیں۔ نہ جانے یہ ملک خداداد "سایہ خدائے ذوالجلال" کا منظر کب پیش کرے گا۔

مقبوضہ حیدرآباد دکن کا تذکرہ نوک قلم پر آنے کی ظاہری وجہ یہ بنی ہے کہ گزشتہ ماہ کے ممبئی بم دھماکوں کے ضمن میں پاکستان کے بچے بچے نے اور عالمی سطح پر ہر باشعور انسان نے یہ خبر سنی اور غور کیا ہوگا کہ ممبئی بم دھماکوں اور حیدرآباد (دکن) کا کیا تعلق ہے؟

ان سطور میں ہمیں اس بحث سے غرض نہیں ہے کہ ممبئی بم دھماکوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے رہنماؤں کا موقف کس قدر حقیقت سے بعید ہے۔ ہمیں تو ممبئی بم دھماکوں کے ڈرامہ کے ڈرامہ نویس کے ذہن کی داد دینی ہے اور اس کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اس نے کسی بھی نیت اور ارادے سے یہ ڈائیلاگ دہشت گردوں کے منہ سے ادا کرایا تو ہم مسلمانان پاکستان اور عالمی سطح کے بیدار مغز انسانوں کو یہ بھولا بسرا واقعہ لاشعور کی سطح سے ابھر کر شعور کی سطح پر آ گیا اور کئی سوال کھڑے کر گیا۔

> **مسلم دشمنی اور انتقامی جذبات سے لبریز ہندو ذہنیت موقع کی تلاش میں تھی۔ مسلمانان عالم اور مسلمانان پاکستان اپنے محبوب رہنما قائداعظم کی وفات کے غم میں نڈھال تھے کہ 12 ستمبر 1948ء رات ڈھلے بھارت نے حیدرآباد پولیس کے ذریعے ریاست حیدرآباد (دکن) پر قبضہ کرلیا**

حیدرآباد دکن کا تذکرہ 60 سال بعد کیوں؟ یہ مطالبہ پیش کرنے کا موقع کیا تھا؟ دہشت گرد ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے لوگ تھے جنہیں اس دل دوز واقعہ کی کسک دل میں ستا رہی تھی؟ حیدرآباد دکن کب مقبوضہ بنا؟ کس نے بنایا؟ کیوں بنایا؟ کن اصولوں کی خلاف ورزی ہوئی؟ اس مسئلہ کو ریڈ کلف ایوارڈ کے مطابق تقسیم ہند کے حوالے سے حل کیوں نہ کیا گیا۔ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل اس واقع پر گزشتہ ساٹھ سال سے کیوں چپ سادھے ہوئے ہیں؟ اور مشرق بعید کی عیسائی ریاست تیمور کی طرح آناً فاناً اس مسئلہ کے حل کا مقدر کب چمکے گا؟ اس مسئلے کے حل کے لئے کون رکاوٹ ہے اور کس کس کے مفادات اس کی راہ میں حائل ہیں؟ اس طرح کے بے شمار سوالات ہر ذی شعور انسان اپنے آپ سے اور اپنے گردوپیش میں اٹھانے پر مجبور ہے۔

راقم ذاتی طور پر ممبئی بم دھماکوں کے ڈرامہ کے اس ڈائیلاگ پر اس کہانی کے "خالق" کا تہہ دل سے ممنون ہے اور انصاف پسند، آزادی پسند اور جبر کی قوت سے نفرت کرنے والے ہر انسان کی طرف سے بھی کہ اس نے ایک بھولے بسرے اہم مسئلے کو عالمی سطح پر اجاگر کر دیا۔ (آئندہ کسی ایسے ہی واقعہ پر جوناگڑھ کی آزادی کا مطالبہ بھی آ جائے تو بڑا احسان ہوگا)۔

راقم تاریخ کا طالب علم تو نہیں، تاہم مطالعے سے جو باتیں مقبوضہ حیدرآباد (دکن) سے متعلق یاد ہیں وہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے حاضر ہیں۔ اس میں اضافے اور تصحیح کی گنجائش رہے گی جس کے لئے اہل علم کو دعوت ہے۔

☆ تحریک پاکستان 1940ء کی دہائی میں زوروں پر تھی اور برطانوی ہند کے طول و عرض میں پشاور سے چاٹگام تک "پاکستان کا مطلب کیا" اور "لے کے رہیں گے پاکستان" کے نعرے گونج رہے تھے۔ 1946ء کے الیکشن میں آل انڈیا مسلم لیگ کو برتری حاصل ہوئی اور وہ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان کے مطالبہ کی منظوری کے واضح آثار دکھائی دے رہے تھے۔

☆ مختلف مراحل سے گزر کر قابض برطانوی راج یعنی تاج برطانیہ نے تقسیم ہند پر آمادگی ظاہر کر دی۔ تقسیم ہند کے موقف کا تسلیم ہو جانا دراصل قابض برطانوی استعمار اور ہندو ذہن کی مشترکہ شکست تھی۔ تقسیم ہند کو روکنے کے لئے ان دونوں قوتوں نے مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا مگر تاریخ کا بہاؤ، علامہ اقبال کی تجدیدی مساعی کے نتیجے میں عوامی بیداری، برطانوی استعمار کی لوٹ کھسوٹ اور ہندو کی بظاہر آزادی کی جدوجہد (جس کے لئے وہ مسلمانوں کے ایک

قابل ذکر حصے کو ساتھ ملائے ہوئے تھا) اور درپردہ گزشتہ ایک ہزار سال کے مسلم اقتدار (جسے ہندو اپنی کم ظرفی کی وجہ سے غلامی تصور کرتا تھا) کا بدلہ چکانے کی خواہش کے منافقانہ عزائم تھے، جس نے مسلمانوں کے اجتماعی جوش وخروش کو عروج پر پہنچا دیا۔

☆ چنانچہ تقسیم ہند کو تسلیم کر کے اعلان آزادی (3 جون 1947ء) نشر ہوا اور اس کے عملی اقدامات شروع ہوئے۔ تقسیم ہند کے عملی اقدامات میں جا بجا ہندو منافقت اور برطانوی مسلم دشمنی کے نقوش ملتے ہیں۔ مسلم اکثریت کے علاقوں کے تعین اور پاکستان و ہند کی سرحدوں کی حد بندی کے لئے ریڈکلف کمیشن بنایا گیا تو اُس پر تاج برطانیہ کی مداخلت اور ہندو کی جانبداری کا واضح الزام لگایا گیا مگر استعماری عزائم کے آگے مظلوم مسلمانوں کی بار بار دہائی کی کوئی شنوائی نہ ہو سکی۔

☆ تقسیم ہند کے سلسلے میں ریڈکلف ایوارڈ آیا تو اس نے پنجاب، سندھ اور بنگال کی ایسی مضحکہ خیز تقسیم کر دی کہ ہیراج کا کنٹرول ایک ملک میں نہریں دوسرے ملک میں۔ ریلوے اسٹیشن کی بلڈنگ ایک ملک میں اور پلیٹ فارم دوسرے ملک میں۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

☆ تقسیم ہند کے وقت پورے ملک میں 625 ریاستیں تھیں جن کا نظم ونسق بظاہر نواب، راجے، مہاراجے چلاتے تھے۔ نگران کے مدارالمہام یا وزیر اعظم وائسرائے نامزد کرتا تھا جس سے عملاً یہ ریاستیں تاج برطانیہ کی براہ راست غلام اور برطانوی سامراج کے انگوٹھے یا فوجی بوٹ کے نیچے براہ راست بے دست و پا رہتی تھیں۔

☆ پاکستان کے معرض وجود میں آتے وقت طے پایا تھا کہ ان ریاستوں کے سربراہ فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان یا بھارت کس کے ساتھ جائیں گے۔

☆ بھارت نے روایتی اور دیرینہ مسلم دشمنی کے جذبات کے تحت مسلم اکثریتی علاقے ریاست کشمیر کے راجے کو دہلی بلا کر دباؤ ڈال کر بھارت کے ساتھ الحاق کرا لیا (جس کی دستاویز کے جعلی ہونے پر بڑا مواد موجود ہے) جسے کشمیری عوام نے تسلیم نہیں کیا تو بھارت نے عوامی رائے شماری کہ ریاست کشمیر کے عوام بھارت یا پاکستان کس کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں (جیسے سلہٹ اور صوبہ سرحد میں ہوا تھا) دسمبر 1947ء میں واضح شکست نظر آنے پر ریاست میں فوجیں داخل کر دیں۔ اس پر پاکستان کی حکومت نے عقل مندی سے کام لیا اور عوامی سطح پر شمالی علاقے جات سے رضاکارانہ فوج نے مقابلہ کیا اور قریب تھا کہ پورا کشمیر آزاد ہو جاتا روایتی چند نادیدہ ہاتھوں نے جنگ بندی کرا دی اور معاملہ اقوام متحدہ میں چلا گیا جس کے معنی ہی کسی مسلم قضیے کو سرد خانے میں ڈال دینا ہے۔ قراردادیں منظور ہوئیں، استصواب رائے کا فیصلہ بھی ہوا مگر بھارت نے ایک نہ مانی اور معاملہ 60 سال سے جوں کا توں ہے۔ کشمیر کا ایک حصہ جنگ بندی کے بعد مسلمانوں کے پاس آ گیا جو آزاد کشمیر کہلاتا ہے۔ اسی طرح ریاست جونا گڑھ کا مسئلہ ہے جو بھارت کے لئے سومنات کا مندر ہونے کی وجہ سے "مونچھ کا بال" بنا رہا تا آنکہ برطانیہ، امریکہ اور سلامتی کونسل کے دیگر بے انصاف اور ظالم ممبران کی وجہ سے سرد خانے میں چلا گیا اور آج اس کا نام بھی زبان پر نہیں ہے۔

☆ ریاست حیدر آباد (دکن) کا معاملہ سب سے زیادہ سنگین اور بھارت کی دیدہ دلیری اور فاشزم کا منہ بولتا ثبوت تھا، اور آج بھی ہے کہ اس کی کسک بالواسطہ طور پر عالمی سطح پر آ گئی۔ ریاست حیدر آباد دکن بھارت کے وسط میں ہے بھارت اگر تقسیم میں مخلص ہوتا تو اس ریاست کو مسلم ریاست کے طور پر تسلیم کر لیتا جیسے کیوبا کمیونسٹ اسٹیٹ ہے اور امریکہ کے پہلو میں روس اور ماسکو سے بہت دور زندہ سلامت ہے۔ بھارت بھی مسلمانوں سے مخلص ہوتا تو دکھانے کو ہی سہی اس ریاست کو زندہ رکھتا۔

اس ریاست کے سربراہ نظام حیدر آباد نے ریاست کا الحاق پاکستان سے کر دیا اور پاکستان کے لئے بھاری مالی امداد بھی دی (جو برطانیہ اور بھارت نے آج تک پاکستان نہیں پہنچنے دی) حیدر آباد دکن مالی طور ایک خوشحال ریاست تھی اور اس کے نواب نظام حیدر آباد میر عثمان علی کا شمار دنیا کے چند متمول ترین آدمیوں میں ہوتا تھا۔ بھارت نے اس سونا اگلتی زمین پر للچائی ہوئی نگاہیں گاڑے رکھیں اور معاملے کو لٹکا دیا اور شاطرانہ انداز میں موقع کی تلاش میں رہا۔

☆ پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر ملک کو مالی طور پر بہت سی مشکلات کا سامنا تھا اور مہاجرین کی آمد اور آبادکاری بڑا مسئلہ تھا۔ وسائل کی کمی بھی شدید تھی، تاہم قائداعظم کی بے مثال قیادت اور مسلم اخوت (Muslim Brotherhood) نے معجزہ دکھایا اور ملک آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا۔

اس عرصے میں بھارت نے مسلم دشمنی اور انتقامی جذبات کے تحت ہر موقع پر پاکستان کو دھوکہ دیا اور اسلحہ، فوج، ہتھیار، وسائل غرض ہر چیز کی تقسیم میں پاکستان کو حصہ کم دیا اور پھر اکثر و بیشتر جو حصہ معاہدے میں طے پا گیا وہ بھی عملاً کبھی پاکستان تک نہ پہنچ سکا۔ پاک و ہند دوستی زندہ باد۔ آج مغرب امریکہ، برطانیہ پھر ہمیں ہندو کے ساتھ دوستی اور تجارت کا سبق دیتے ہیں مگر درپردہ وہ بھی بھارت کی طرح مسلم دشمنی کے جذبات سے سرشار ہیں تاریخ نے اسے صلیبی جنگوں (Crusades) کا نام دیا ہے ورنہ انہیں مسلم امہ کے کسی مفاد سے کوئی غرض نہیں ہے۔

☆ 1948ء میں قائداعظم پیرانہ سالی، کام کی زیادتی اور بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے اور مرض بڑھتا گیا تا آنکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے اٹل اصول کے سامنے انہیں سر جھکانا پڑا اور 11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم کی وفات کی خبر نشر ہو گئی۔

مسلم دشمنی اور انتقامی جذبات سے لبریز ہندو ذہنیت موقع کی تلاش میں تھی۔ مسلمانان عالم اور مسلمانان پاکستان اپنے محبوب رہنما کی وفات کے غم میں نڈھال تھے کہ 12 ستمبر 1948ء رات ڈھلے بھارت نے قائداعظم حیدر آباد (دکن) میں بظاہر پولیس کے ذریعے (تاکہ عالمی میڈیا بھارت کو اسرائیل اور حیدر آباد کو "غزہ" نہ سمجھ لیں) ریاست حیدر آباد (دکن) کا انتظام سنبھال لیا۔

مسلمانوں نے وہاں تک رسائی کی کوشش کی اور بالآخر اقوام متحدہ میں مسئلہ پیش کر دیا۔ سلامتی کونسل کے حسب معمول اجلاس ہوئے مگر نشستند گفتند خوردند نوشیدند اور برخاستند کے مصداق معاملہ حل نہ ہو سکا اور ساٹھ سال بعد بھی معاملہ اقوام متحدہ کے التواء شدہ معاملات کی فہرست میں دبا پڑا ہے اور منتظر ہے انصاف کے دن کا جہاں معاملہ یہ ہو گا کہ ؎ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ریاست حیدر آباد دکن جو بھارت کی ایک مقبوضہ ریاست ہے اور قبضہ بھی غاصبانہ ہے افسوس کہ اس کا کہیں تذکرہ نہیں۔ پرانے لوگ راہی ملک عدم ہوئے، اخباروں اور تحریروں میں اگر کہیں کہیں اور کبھی کبھی تذکرہ ہوتا بھی ہے تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

بھلا ہو ممبئی بم دھماکوں کی کہانی لکھنے والے ڈرامہ نگار کا جس نے اپنے ذہن کے (اس لئے کہ حیدر آباد دکن کے غاصبانہ قبضہ کی خلش ہندو ذہن کو بھی ستاتی ہے) منفرد آئیڈیا کو الفاظ کا رنگ دے کر دنیا میں اس اندوہناک قضیے کی یاد تازہ کر دی۔ ؎ بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے وفاداری نبھانے کا جذبہ عطا فرمائے، تاکہ ہم مسلمانوں پر آج جو نکبت اور ذلت طاری ہے اس کے گہرے سائے ختم ہو سکیں اور مسلمان دنیا میں عزت کا وہ مقام حاصل کر سکیں کہ وقت کا کوئی بھی فرعون اُن کی طرف میلی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ (آمین) ☆☆☆

# میں تنظیم میں کیسے شامل ہوا؟

فیصل وحید

اگست 2001ء میں میرے بھائی یاسر کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی عمر ابھی 25 برس تھی۔ یقیناً جوان اولاد کی موت کا صدمہ سب سے زیادہ والدین کو ہوتا ہے، لیکن چھوٹا بھائی ہونے کے ناطے میں بھی بہت غمگین تھا۔ ابھی یہ غم تازہ تھا کہ 8 ماہ بعد میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا، اور میرے بائیں پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور میں ساڑھے چار ماہ تک بستر پر پڑا رہا۔ تقریباً چھ ماہ کے بعد میں چلنے کے قابل ہوا۔ یہ ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اس میں میری جان بھی جا سکتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی (مہلت) دی۔ اس بات کا احساس مجھے حادثے کے وقت ہی ہو چکا تھا لیکن صحت یاب ہونے کے بعد یہ احساس کچھ عرصے کے لئے دب گیا، اور میں اپنے دنیاوی معاملات میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد میرے اندر یہ احساس شدت کے ساتھ بیدار ہوا، اور میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی، اور مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کا جنازہ اٹھایا تھا جس وقت تم موت کو بالکل بھول چکے تھے، پھر تمہارے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا اور اللہ نے تمہیں مزید زندگی دی، یہ زندگی تو آنی جانی ہے، اس زندگی کو قیمتی بناؤ اور جس مقصد کے لئے ہم اس دنیا میں آئے ہو اس مقصد کے لئے اپنے آپ کو لگاؤ تا کہ آخرت میں اللہ کی ناراضی سے بچ سکو۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو مسجد کے ساتھ جوڑ لیا، نمازوں کی پابندی شروع کر دی۔ فجر کی نماز کے بعد فیضانِ سنت اور کبھی کبھی بہشتی زیور کا درس دیتا۔ ہماری مسجد میں وقتاً فوقتاً تبلیغی جماعت کا بھی آنا جانا رہتا تھا، اس طرح اُن کے ساتھ بھی گشت اور تعلیم میں شرکت کر لیتا، لیکن دل و دماغ پوری طرح مطمئن نہیں ہو رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی خلا ہے۔ ایک بار سہ روزہ کے لئے ہماری جماعت کی تشکیل سیالکوٹ سے 20 کلومیٹر دور گوندل کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی۔ اس سہ روزہ کے لیے میں نے بھی اپنا نام لکھوا دیا تھا۔ اگلے روز بستر باندھا اور ساتھیوں کے ساتھ چل پڑا۔ ہم جس گاؤں میں گئے وہاں بارش ہو رہی تھی اور شدید سردی تھی۔ اس کے باوجود ہماری جماعت نے فجر کی نماز کے بعد اس علاقے میں گشت کیا اور لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دی۔ میں ان لوگوں کے مال و جان کے انفاق کے اس جذبہ سے بہت متاثر ہوا (جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا) لیکن اس سب کے باوجود ایسا محسوس ہوتا تھا یہ جو کچھ بھی دین کے حوالے سے کر رہے ہیں، یہ نامکمل ہے۔ لہٰذا میں نے اسی سہ روزہ کے دوران رات کی تنہائی میں صدقِ دل کے ساتھ دعا کی کہ اے اللہ! میں تیرے دین کے لئے محنت کرنا چاہتا ہوں، میں تیری بندگی کرنا چاہتا ہوں، مجھے سیدھا راستہ دکھا اور حقیقت دین کا شعور عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ کچھ ہی دنوں بعد بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد سیالکوٹ تشریف لائے، ایک اچھے مقرر کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا زمانہ معترف ہے۔ میں انہیں ٹی وی پر پہلے بھی سنتا رہتا تھا، لیکن ان کے بنیادی فکر اور مشن سے اب تک ناواقف تھا۔ میں نے ان کے پروگرام میں شرکت کی۔ اُن کی تقریر کا موضوع "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" تھا۔ انہوں نے سابقہ امت مسلمہ کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کی ذلت اور رسوائی کی اصل وجہ قرآن سے دوری پر بھی سیر حاصل گفتگو کی۔ مزید براں انہوں نے شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے لئے جماعت کے ساتھ جڑنے کو لازم قرار دیا اور بتایا کہ جماعت سازی کی مسنون بنیاد بیعت ہے۔ یہ تمام باتیں میرے لیے بالکل نئی تھیں۔ مجھے بانی محترم کی جو بات بہت پسند آئی وہ یہ تھی کہ اقامت دین کی جدوجہد کے ضمن میں آپ کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسی دینی جماعت میں ضرور شامل ہوں جس کے پیش نظر دین کو غالب کرنا ہو، اور اگر کوئی جماعت نہیں ملتی تو خود کھڑے ہوں اور جماعت بنائیں۔

میں نے سوچا وہ شخص اپنی دعوت میں مخلص ہے جو عام علماء کی طرح یہ نہیں کہہ رہا کہ میری جماعت ہی سب سے اچھی ہے، بلکہ وہ لوگوں کو قرآن کے بنیادی پیغام کی طرف بلا رہا ہے کہ جس میں تمام انسانیت کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی موجود ہے۔ میرے دل نے اس بات کی صداقت کی گواہی دی اور میری بے چینی ختم ہو گئی۔ جس چیز کی مجھے تلاش تھی، وہ مجھے مل گئی۔ چونکہ اس پروگرام میں "عبادتِ رب" کے عنوان سے پمفلٹ اور بیعت فارم بھی تقسیم کیے گئے تھے، لہٰذا چند دنوں کی سوچ بچار کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اس جماعت میں ہر حال میں شمولیت اختیار کرنا ہے۔ میں مقامی دفتر ماڈرن بک ڈپو پر گیا، وہاں مقامی ناظم نشر و اشاعت ملک تنویر سے تنظیم اسلامی کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے بیعت فارم پُر کیا اور یوں میں اپریل 2005ء میں تنظیم اسلامی میں شامل ہو گیا۔

اب آخر میں مختصری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں جتنی بلند فکر ملی، ہمیں اتنی ہی زیادہ محنت ہمیں اس فکر کو عام کرنے کے لئے کرنا ہوگی، ہمیں چاہیے کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے عمل سے بھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دین پر استقامت عطا فرمائے اور اس دین کی حفاظت اور سربلندی کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لئے ہر دم تیار رکھے۔ (آمین)


## ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 27 سال، تعلیم ایم ایس سی کمپیوٹر سائنس، پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی نوجوان کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0322-4588240

☆ لاہور میں مقیم رفیق تنظیم اسلامی عمر 35 سال، تعلیم بی اے، برسر روزگار کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0301-4576107

☆ گورنمنٹ آفیسر، عمر 40 سال، تعلیم MBA پہلی بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کے لئے اردو سپیکنگ فیملی سے تعلیم یافتہ، کنواری، مطلقہ، بیوہ، دینی مزاج کی حامل لڑکی کا بغیر جہیز کے رشتہ درکار ہے۔ علیحدہ رہائش کا بندوبست ہے۔

برائے رابطہ: 0333-4974930

### ظلم و بربریت اور دھاندلی کی بنیاد پر بننے والے ممالک

# امریکہ اور اسرائیل

## کل جو کچھ امریکہ میں ریڈ انڈین کے ساتھ ہوا، آج وہی تاریخ فلسطین میں فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے

ڈاکٹر علی اکبر حقی

انبیاء و اصفیاء، اتقیاء و اولیاء کی سرزمین فلسطین جس کا تاریخی نام یروشلم ہے، آج پھر لہولہو ہے۔ اقوام عالم کی بے حسی و منافقت کا شکار فلسطین گزشتہ دنوں ایک مرتبہ پھر آگ و آتش و آہن کی بارشوں کی زد میں آیا۔ صیہونی درندوں کے بنائے گئے حقیقی ہولوکاسٹ کے نتیجے میں چاروں طرف آگ لگی رہی اور لاشیں بکھری پڑی رہیں۔ معصوم ننھے منھے بچوں کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اقوام عالم بالخصوص مسلمانانِ عالم سے اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا سے متعلق دریافت کرتے رہے کہ کیا مسلمان وہ بھی فلسطینی ہونا جرم ہے۔۔۔؟ اگر نہیں تو پھر حیوانوں کی دیکھ بال اور اُن کے حقوق کے لئے قانون سازی کرنے والا یورپ و امریکہ کیوں صیہونی مظالم پر اسرائیل کی مذمت کرنے کے بجائے اسرائیل کو اخلاقی وسیاسی و مادّی امداد مہیا کرتے رہے۔ 27 دسمبر 2008ء سے شروع ہونے والے اس ہولوکاسٹ نے کم از کم 1500 افراد کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔ ان شہید ہونے والے افراد میں 40% سے زیادہ عورتیں اور بچے ہیں۔ بجلی ندارد، پانی بند اشیاء خورد و نوش کے لئے غزہ کو جانے والے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ رفح کراسنگ بند ستم بالائے ستم ہے کہ ممبئی حملے، 9/11، 7/7 لوگوں کو نظر آئے مگر غزہ کے معصوم دودھ پیتے پیاس سے بلکتے بچے کسی کو دکھائی نہ دیئے، گویا ماہِ محرم میں عاشورہ مُحرم کی تاریخ دُہرائی گئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ امریکہ نے 325 کنٹینرز اسلحہ و گولہ بارود سے لیس کر کے اسرائیل کی مدد کے لئے یونان کی بندرگاہ سے روانہ کئے۔

1492ء کو جب کرسٹوفر کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تو اُس وقت امریکہ میں ریڈ انڈین کی تعداد پانچ لاکھ تھی، اور اسپین، برطانیہ غرض یورپ کے طول و عرض سے پہنچنے والوں کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ پچاس ہزار گوروں (آبادکاروں) نے 5 لاکھ ریڈ انڈین (مقامی آبادی) کو نہ صرف غلام بنایا بلکہ ان کا بُری طرح استحصال کیا۔ 1776ء کو جارج واشنگٹن کی قیادت میں یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ شروع میں یہ سات ریاستوں کا اتحاد تھا، پھر تیرہ مزید ریاستیں شامل ہو گئیں۔ امریکہ نے کیلیفورنیا کے حصول کے لئے میکسیکو پر حملہ کر دیا اور تیرہ لاکھ مربع کلومیٹر کے علاقے پر قابض ہو گیا۔ یہ سمندری علاقے معدنیات و قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں، جس کی بنیاد پر امریکہ دُنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا مُلک کہلاتا ہے۔ اسی ہوس کی بنیاد پر اُس نے ایٹمی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی

> امریکہ و اسرائیل کی بنیاد ظلم پر رکھی گئی ہے۔ روئے زمین پر جب تک صیہونی نظریات اور اس کو سپورٹ دینے والے ہیں، دُنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا

اور آج عراق پر قابض ہے۔ امریکہ کیوبا کے علاقوں گوام، گوانتانا موبے، اور پورٹوریکو پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ 1970ء کی مردم شماری کے مطابق امریکہ میں ریڈ انڈین ایک کروڑ تھے اور آبادکار امریکن 40 لاکھ تھے، مگر آج امریکن 30 کروڑ ہیں، جبکہ ریڈ انڈین محض 40 لاکھ ہیں۔ گویا امریکہ تارکین وطن کا مُلک ہے۔ اسی طرح آج فلسطین کی سرزمین ہے۔ 1948ء میں فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ 15،14 مئی کی درمیانی شب کو اسرائیل کے نام سے ایک ناجائز ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت فلسطین کے حدود اربع میں یہودی آٹھ لاکھ تھے، جبکہ فلسطینی مسلمان 20 لاکھ سے زیادہ تھے۔ آج ہم اسی فلسطین کو دیکھتے ہیں، تو فلسطین کی سرزمین میں کل آبادی 74 لاکھ ہے، جس میں 54 لاکھ یہودی ہیں اور صرف 20 لاکھ فلسطینی عرب مسلمان۔ چنانچہ یہاں یہ امر ثابت ہوا کہ امریکہ و اسرائیل کی بنیاد ظلم پر رکھی گئی ہے۔ روئے زمین پر جب تک صیہونی نظریات اور اس کو سپورٹ دینے والے ہیں، دُنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسرائیل کے قیام کے وقت سامراجی قوتوں نے 20 لاکھ فلسطینیوں کے لئے 44% سرزمین اور 8 لاکھ یہودیوں کے لئے 54% زمین کی تقسیم کا فارمولا طے کیا جب کہ 2% بیت المقدس (یروشلم) کے شہر کو بین الاقوامی آزاد شہر قرار دیا۔ اس پر بھی یہودی راضی نہ ہوئے اور انہوں نے فلسطینیوں پر جنگ مسلط کر دی۔ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں ٹرانس جارڈن (اُردن) اور مصر کی فوجیں وہاں تک گئیں جہاں صیہونی ملیشیاء نے اب تک قبضہ نہیں کیا تھا۔ اس طرح فلسطین کے 54% کے بجائے 78% پر صیہونی قابض ہو گئے۔ ایلات، بیت المقدس، رملہ، بیت اللحم، الخلیل، نابلس، رام اللہ کے تمام علاقے کو جو کہ مغربی کنارہ (جریکوم) کے نام سے مشہور تھا، اُردن کے حوالے کر دیا گیا۔ اور غزہ کی پٹی جسے اریحا کہتے ہیں، مصر کو دے دیا گیا۔ 1956ء کو قبضہ کے بعد چند مہینوں کے اندر اسرائیل کو غزہ خالی کرنا پڑا۔ جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شام، اُردن، مصر اور PLO نے مل کر اسرائیل پر حملہ کیا، مگر عربوں کی کم ہمتی نے انہیں شکست سے دو چار کر دیا۔ اگر اُس زمانے میں جمال عبدالناصر عرب قومیت کے بجائے اسلام کا نعرہ بلند کرتے تو اسلامی حمیت کے جذبے سے سرشار مجاہدین اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، مگر عرب قومیت کے نعرے نے مسلمانوں کو ذلت و رسوائی کی سوا کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس جنگ میں عربوں کو شکست ہوئی اور اسرائیل نے اپنے رقبے سے ساڑھے تین گنا زیادہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مصر سے صحراء سینا کا سارا علاقہ چھین لیا، اُردن سے بیت المقدس سمیت مغربی کنارہ اور ایلات کی بندرگاہ، مصر سے غزہ کی پوری پٹی۔ گو عربوں نے 1973ء میں اسرائیل پر فیصلہ کن حملہ کیا، گو عربوں کی اسٹریٹجی کامیاب نہیں رہی تاہم اس جنگ نے اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ مصر نے (بقیہ صفحہ 16 پر)

# ”مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری“

لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبدالقیوم

قارئین آپ جانتے ہیں کہ سقراط 469 قبل مسیح سے 399 قبل مسیح تک کے قدیم یونان کا ایک بہت بڑا عالمی سطح کا دانشور تھا۔ ایک دن ایک آدمی دوڑتا ہوا سقراط کے پاس آیا اور کہا آپ کو پتہ ہے کہ میں نے آپ کے ایک طالب علم کے متعلق کیا سنا ہے۔ سقراط نے کہا ایک لمحہ رک جائیں اور مجھے کچھ بتانے سے قبل آپ پہلے میرے تین سوالات کا جواب دیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے اس چیز کا یقین کر لیا ہے کہ جو کچھ آپ مجھے میرے ایک طالب علم کے متعلق بتانا چاہتے ہیں وہ سچ ہے؟ آدمی نے کہا یہ تو سنی سنائی بات ہے، اس کے سچ ہونے کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ سقراط نے دوسرا سوال کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا جو بات آپ مجھے میرے شاگرد کے متعلق بتانا چاہتے ہیں وہ اچھی یا مثبت بات ہے؟ آدمی نے نفی میں جواب دیا۔ سقراط نے کہا تو آپ مجھے میرے طالب علم کے متعلق ایک بری بات بتانا چاہتے ہیں، جس کی سچائی کا بھی آپ کو یقین نہیں۔ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میرے شاگرد سے متعلق جو بری بات آپ مجھے بتانا چاہتے ہیں، کیا وہ میرے لیے کسی لحاظ سے مفید بھی ہے؟ جب اس آدمی نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا تو پھر سقراط نے کہا کہ کسی کے متعلق ایک ایسی منفی بات جس کی سچائی بھی مشکوک ہے اور میرے لیے وہ کسی لحاظ سے مفید بھی نہیں، اس کو میں کیوں سنوں۔ آدمی سخت شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔

دراصل ہم لوگ چپ رہنے کے عادی نہیں ہیں، کچھ نہ کچھ بولتے یا کہتے رہنا ہمارا مشغلہ ہے۔ اور ہم اس بہت بڑی غلط فہمی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں کہ شاید چرب زبانی اور گفتگو کی بہتات سے ہماری دوسروں پر دھاک بیٹھے گی۔ اپنے گریبان میں جھانکنے کے بجائے ہم دوسروں کے اندر عیب ڈھونڈتے ہیں اور پھر بغیر تصدیق کے ہر جگہ اس کا برملا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں اور بار بار لغو بے معنی اور بغیر مقصد کی سنی سنائی کہانیوں کی یلغار سے خاموشی جیسی بہترین نعمت کو بار بار بے رحمی سے پارہ پارہ کرتے ہیں۔

ادب کی دنیا کی ایک بہت بڑی شخصیت مرحوم اشفاق احمد نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ رات کی چاندنی میں سندھ کے ریگستان میں بیٹھے تھے تو ان کے میزبان ساتھی نے پوچھا اشفاق احمد خاموش کیوں ہو، کچھ سناؤ اور اشفاق احمد کا جواب تھا کہ اس خاموشی سے حاصل شدہ سکون کی نعمت سے کوئی بڑی بات کہنے کو ہو تو میں خاموشی کو توڑ کر اس سکون کو قربان کروں۔

یہ ٹھیک بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان گفتگو کرنے کے لئے عطا کی ہے لیکن عقلمند لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کو ایک اچھا Listner ہونا چاہیے اپنی بات سنانے کی بجائے دوسروں کی بات سننے کی عادت انسانوں کے چند بہترین اوصاف میں سے ہے۔ ہمیں دوسروں کی بات غور سے سننی چاہیے۔ اور ان کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع بھی دینا چاہیے کئی لوگ دوسروں کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ان پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ دانا لوگ کہتے ہیں کہ اس بے صبری اور جلد بازی سے کام لینے والوں کے متعلق یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ لوگ اپنی عام زندگی کے معمولات کیسے نبھا رہے ہوں گے۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ عظیم لوگ Concepts پر بات کرتے ہیں۔ اوسط درجے کے لوگ Events یا واقعات پر گفتگو کرتے ہیں لیکن چھوٹے لوگوں کا موضوع بحث دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔

دراصل عظیم لوگ دوسروں کی بات صبر اور تحمل سے سنتے ہیں ہمیں وہی باتیں سننی یا سنانی چاہئیں جو بقول سقراط سچی، مثبت اور مفید ہوں اور کم گوئی کو اپنا شعار بنانا چاہیے چونکہ دانا لوگوں نے کہا ہے:

"Speech is Silver and Silence is Gold" یعنی اگر گفتگو کو ہم چاندی سے تشبیہ دیں تو اس کے مقابلے میں خاموشی سونا ہے یہ بھی کسی کا کہنا ہے کہ دانشور لوگ بولتے کم ہیں اور کہتے زیادہ ہیں، یعنی

"Those who grow wiser in age, they speak less and say more"

قارئین! اس میں شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ تنزلی کا شکار ہے آپ بہت سے ٹی وی ٹاک شوز کو ہی دیکھ لیں ان میں بہت دفعہ آپ کو ایک طوفان بدتمیزی کی جھلک نظر آئے گی، جہاں بہت سی باتیں بغیر ثبوت کے کہی جاتی ہیں اور کئی دفعہ تو شور شرابے میں کوئی بات سمجھ بھی نہیں آتی۔ عالمی میڈیا میں ایسی صورت حال شاید ہی آپ کو کسی چینل پر نظر آئے۔

ایک دفعہ ایک ٹاک شو میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے پچھلی حکومت کے ایک سینیٹر نے کہا کہ جنرل صاحب اسٹیل مل کی نجکاری کے سلسلے میں آپ نے جو خط صدر صاحب کو لکھا تھا اس کے آخری پیرے میں تو آپ نے اسٹیل مل کی نجکاری کی تعریف کی تھی۔ میں اس پر بڑا حیران ہوا چونکہ یہ ایک سفید جھوٹ تھا اور قابل احترام سینیٹر مجھے بتا رہے تھے کہ میں نے خط تو نہیں پڑھا لیکن ایسا سنا ہے۔ میں نے سینیٹر صاحب کو بتایا کہ مذکورہ خط میں میں نے اسٹیل مل کی نجکاری کو رومن انگریزی میں نورا کشتی لکھ کر بھیجا تھا اور اس خط کے آخری پیرے میں تو میرا استعفیٰ تھا۔ یہ خط شاید آج بھی ایوان صدر اور سپریم کورٹ میں محفوظ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے میڈیا نے پچھلے ساٹھ سالوں میں کامیابیوں کا ایک بہت لمبا سفر طے کر لیا ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ہمارے جناب مجید نظامی، میر خلیل الرحمان، میر شکیل الرحمان، عارف نظامی، ہارون فیملی اور دوسرے بہت سے صحافی قائدین کی انتھک کوششوں کی وجہ سے صحافت کے میدان میں ایک انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ صحافت کا پیشہ محب وطن، قابل اور دیانتدار لوگوں سے بھرا پڑا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس پیشے میں بھی اس وقت کچھ غیر ذمہ دار عناصر موجود ہیں جو ٹی وی سکرینوں پر آ کر یا اخباری کاغذ اور قلم کے سہارے خدا خوفی کے بغیر اور ثبوت یا شہادت کی عدم موجودگی میں کسی کی پگڑی بھی اچھال سکتے ہیں۔ ایسے غیر ذمہ دار لوگوں کی وجہ سے موجودہ صحافتی آزادی پر آنچ آ سکتی ہے، اللہ کرے ایسا نہ ہو۔ سیاسی قائدین کو بھی چاہیے کہ مختصر گفتگو کریں اور ہر بات سوچ سمجھ کر کہیں۔ کم گوئی اور خاموشی وقار میں اضافہ کرتی ہے۔

امریکہ کے سابق صدر نکسن نے اپنی کتاب "In The Arena"

میں لکھا ہے کہ "ایک قائد یا راہبر کے اسلحہ خانے میں سب سے بڑا ہتھیار جس کا شاید اس کو خود بھی پتہ نہ ہو، وہ "خاموشی" ہے۔ فرانس کے صدر ڈیگال کا کہنا ہے کہ "Nothing more enhances authority than silence" یعنی خاموشی آپ کی شخصیت اور رعب داب میں اضافہ کرتی ہے جبکہ زیادہ بولنے والے انسان کو قدآور نہیں سمجھا جاتا۔

سابق امریکی صدر نکسن نے یہ بھی کہا ہے کہ

"If actions speak louder than words there are times when silence speaks louder still"

ہمارے معاشرے میں خاموشی بہت بڑی مظلوم ہے، اس پر ہم بار بار حملہ کر کے اسے توڑتے ہیں حالانکہ تنہائی میں کچھ دیر بیٹھ کر سوچنے ہی سے ذہن میں نئے تصورات جنم لیتے ہیں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں سے ہمیں ہر روز تنہائی کے چند خاموش لمحوں کو ضرور چرانا چاہیے۔ امریکہ کے سابق صدر آئزن ہاور نے بقول صدر نکسن کبھی بھی کوئی اہم فیصلہ اپنی کابینہ کے جمگھٹے میں نہیں کیا۔ وہ کابینہ، قومی سلامتی کونسل اور قانون دانوں سے صلاح مشورہ ضرور کرتے تھے لیکن پھر وہ وائٹ ہاؤس کے اوول آفس سے ملحقہ Quiet Room میں اکیلے بیٹھ کر بہت ساری ریفلیکشن یا سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرتے تھے۔ صدر نکسن نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں لکھا ہے کہ وہ بھی اہم فیصلے Oval Office کی بجائے اس سے ملحقہ لنکن سیٹنگ روم یا کیمپ ڈیوڈ جا کر تنہائی میں کافی سوچ بچار کے بعد کرتے تھے۔

پاکستان کی چالیس سالہ خدمت کے بعد میرا ذاتی تجربہ بھی یہ کہتا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت ضرور علیحدگی میں خاموش ماحول کے اندر مختلف معاملات پر سوچ بچار کرنی چاہیے۔

میں نے زندگی میں بہت سارے اہم فیصلے تنہائی میں واک کرتے ہوئے کیے۔ میں بھی اپنی بساط کی مطابق لکھنے کا تخلیقی کام زیادہ تر رات کے گیارہ بجے سے لے کر صبح کے ایک بجے تک یا پھر صبح کی نماز کے بعد سے لے کر سورج طلوع ہونے کے وقت تک کرتا ہوں۔ ان اوقات میں بچے اور گھر والے سو رہے ہوتے ہیں۔ کوئی ٹیلیفون کی گھنٹی نہیں بجتی اور کسی قسم کا شور کانوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ یاد رکھیں شور بھی ایک Pollution ہے جو ہمارے ذہنوں پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ مکہ کی بستی کو چھوڑ کر خاموش ماحول اور تنہائی کی تلاش میں مکہ کی ویران پہاڑیوں میں واقع غار حرا میں پہنچ جاتے تھے۔ مکہ کی پہاڑیوں کے اوپر کوئی سبزہ یا درخت بھی نہیں، اس لیے اس غار کے قریب کسی پرندے کے بولنے کی بھی شاید ہی کوئی آواز سنائی دیتی ہو۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ پر اس خاموشی کے ماحول میں ہی قرآن کریم اور نبوت کے پیغامات سمیت اس کائنات کے لیے سب کچھ نچھاور کیا۔ ایک دانشور نے یہ بھی کہا کہ کچھ کہنے کو نہ ہو تو چپ رہو کیونکہ:

"It is better to remain silent and appear a fool, than to speak and remove all doubts"

یعنی چپ بیٹھ کر بیوقوف لگنا بول کر اپنی بیوقوفی کا ثبوت فراہم کردینے سے بہتر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ "انسان زبان کے پردے میں چھپا ہے" اور ساتھ ہی حضرت علیؓ کا ایک اور قول قارئین کی نذر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ "ہمیشہ سچ بولو تاکہ تمہیں قسم نہ کھانی پڑے"۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تلقین فرمائی تھی کہ "زبان کی حفاظت کرو کیونکہ یہ ایک بہترین خصلت ہے"۔ یہاں یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ اہل علم، دانشور اور صاحب بصیرت لوگوں کو اپنی دانائی کے موتیوں کو دوسروں میں ضرور بکھیرنا چاہیے۔ اہل دانش لوگوں کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "بات کرو تاکہ پہچانے جاؤ چونکہ آدمی اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔"

قارئین محفلوں میں بیٹھ کر خاموشی کا حصول خاصا مشکل کام ہے اور خراب ملکی حالات، کرپشن، بے روزگاری، بھوک، قیادت کی بے بسی اور نااہلیوں کی داستانیں سن کر دل ویسے ہی ڈوبنے لگتا ہے اور اس شور و غل سے بھاگ کر ایسی جگہ پر جانے کو دل چاہتا ہے جہاں تنہائی اور خاموشی ہو۔ میں ایسے سکون کی تلاش میں زیادہ تر چکوال شہر سے 35 کلومیٹر دور شمال مشرق میں واقع اپنے گاؤں بادشاہان چلا جاتا ہوں جہاں میرا گھر آبادی سے تھوڑا ہٹ کر ایک ایسی جگہ پر ہے، جہاں گھر کی کھڑکیوں سے دور دور تک صرف اور صرف قدرت مختلف پیراہنوں میں نظر آتی ہے۔ علامہ اقبال جب مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی تگ و دو میں اپنے ہی لوگوں کی نااہلیوں کی وجہ سے مایوس ہو جاتے یا اس درویش کا اس جھوٹے جہاں سے جی بھر جاتا تو وہ بھی تنہائی کی خواہش کرتے تھے۔ ان کی نظم "ایک آرزو" کے چند شعر قارئین کی نذر کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا......

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب!
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
ہو ہاتھ کا سرہانا، سبزہ کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت، خلوت میں وہ ادا ہو

(بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

## بقیہ: امریکہ اور اسرائیل

صحراء سینا کا بیشتر علاقہ جو العریش تک تھا، اسرائیل سے چھین لیا۔ شام نے پیش قدمی کی اور گولان کی کچھ پہاڑیاں آزاد کروائیں، اگرچہ اسرائیلی پیش قدمی کے آگے شام کو بھی سرینڈر ہونا پڑا۔ ان تمام جنگوں کے پیچھے امریکہ کی سپورٹ تھی اور عرب قوم پرستی کا شکار تھے۔ مگر آج حالات مختلف ہیں، پوری دُنیا میں امریکی و اسرائیلی مظالم کے خلاف مسلمان متحد ہو رہے ہیں اور قوم پرستی کے بُت ٹوٹ رہے ہیں۔ آج حماس اسلامی حمیت کے جذبے سے لبریز ہے۔ جبکہ PLO فلسطینی قوم پرستی کے فلسفے اور عرب قومیت کے نعرے پر عمل پیرا ہے۔ آج انڈونیشیا سے مراکش تک تمام مسلمان ایک جھنڈے کے سائے تلے ایک ہیں، مگر افسوس اسلامی ملکوں پر امریکہ کے ایجنٹ قابض ہیں اور وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی بیداری کی اس لہر کو کیش کرایا جائے اور مسلمانان عالم اپنے اوپر قابض امریکی ایجنٹوں کو مسترد کر دیں۔ غزہ پر اسرائیلی ریاستی دہشت گردی اور درندگی کے ایام میں بھی مصر رفح کراسنگ تک کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا تو اس سے حسنی مبارک کا امریکی ایجنٹ ہونا صاف عیاں ہو جاتا ہے۔ کل کو پاکستان، سعودی عرب اور اسلامی دُنیا کے دیگر ممالک بھارت، اسرائیل اور امریکہ کا ہدف ہوں گے۔ اس لئے اُمت کے قائدین کو چاہئے کہ طویل المدتی منصوبہ بندی کریں، اور مسلمان ممالک کو محفوظ بنائیں۔ اور غاصب قوتوں کے خلاف برسرپیکار اسلامی قوتوں کو بھرپور سپورٹ کریں جو فلسطین، کشمیر، فلپائن، برما، تھائی لینڈ، سوڈان، صومالیہ، افغانستان میں مصروف کار ہیں، تاکہ عالم اسلام محفوظ ہو۔

# تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام مختلف شہروں میں ”ہفتۂ توبہ“ کے پروگراموں کی تفصیل

## حلقہ سرحد شمالی

اُمتِ مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کی موجودہ زبوں حالی اور پریشان کن صورتِ حال سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ قومِ یونس علیہ السلام کی طرح توبہ کر کے اللہ کی طرف پلٹے۔ اسی سوچ کو اُجاگر کرنے کیلئے تنظیم اسلامی پاکستان کے زیرِ اہتمام پورے ملک میں ہفتۂ توبہ واستغفار منایا گیا۔ توبہ کی اس مہم میں تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی نے بھی بھرپور طور پر حصہ لے کر لوگوں کو ”ففروا الی اللہ“ کی دعوت دی۔ مرکز سے توبہ مہم سے متعلقہ مواد بوجوہ تاخیر سے موصول ہوا۔ چنانچہ یہاں پر کام 18 جنوری سے شروع ہو کر 25 جنوری تک جاری رہا۔ اگرچہ ان دنوں شمالی علاقہ جات میں موسم خاصا ٹھنڈا رہا، بادل بھی چھائے رہے اور شروع میں بارش بھی رہی، لیکن اس کے باجود الحمد للہ، کسی تنظیم یا اُسرہ میں کام نہیں رُکا۔ حلقہ کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر باجوڑ اور سوات میں یہ مہم چلانا ممکن نہ تھا۔ تاہم باجوڑ کے ساتھی بھی جس قدر ہو سکا، تندہی کے ساتھ اس کام میں مصروف رہے۔ اس مہم کی جھلکیاں درج ذیل ہیں۔

1۔ توبہ مہم کے لیے باقاعدہ طور پر حلقہ کے ذمہ دار رُفقاء کی دو دفعہ میٹنگ بلائی گئی۔
2۔ حلقہ کے 20 بڑے شہروں میں بینرز اور پوسٹرز لگائے گئے۔
3۔ 40 سے زائد مقامات پر ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔
4۔ 30 مساجد میں تقاریر/خطابات جمعہ میں توبہ کے حوالے سے ساتھیوں نے گفتگو کی۔
5۔ خصوصی حضرات سے ملاقاتیں کی گئیں۔
6۔ سرکاری دفاتر کا خاص طور پر visit کیا گیا۔
7۔ مختلف جگہوں پر کیمپس لگائے گئے۔

اس مہم کے دوران کسی بھی جگہ پر کوئی مشکل یا کوئی رُکاوٹ پیش نہیں آئی، بلکہ لوگوں کا response بڑا متاثر کن رہا۔ بعض حضرات نے ٹیلیفون کے ذریعے رابطہ کر کے اس کام کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دے کر ہماری حوصلہ افزائی بھی کی۔ (مرتب: شاہ وارث)

## پشاور

آج اُمتِ مسلمہ جس ذلت و رسوائی کا شکار ہے وہ کسی بھی ذی شعور انسان سے مخفی نہیں ہے۔ بقول شاعر:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

لیکن اس مرض کے لیے جو علاج تجویز کیا جاتا ہے وہ اکثر و بیشتر انتہائی سطحی نوعیت کا ہوتا ہے، حالانکہ اس کا اصل اور بنیادی سبب صرف اور صرف اللہ سے دوری ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ہم نے واشنگٹن کو قبلہ بنا لیا ہے اور یہ فساد صرف حکمران طبقہ تک محدود نہیں بلکہ عوام سے لے کر حکمرانوں تک پورے جسد میں فساد خون کی طرح جاری و ساری ہے اگرچہ گاڑھا پن حکمران طبقہ میں زیادہ نظر آتا ہے۔

موجودہ ذلت، نکبت اور پستی سے نکلنے کے لئے تنظیم اسلامی نے ہفتۂ توبہ منانے کا فیصلہ کیا تاکہ بھرپور انداز میں مسلمانانِ پاکستان کے سامنے اس حقیقت کو رکھا جائے کہ ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی اور خالص توبہ ہے کہ ہم اللہ سے وفاداری کے عہد کو نبھانے کا عزم تازہ کریں اور انفرادی و اجتماعی سطح پر رب العالمین کے حضور توبہ کریں۔ اس طرح اللہ کی رحمت و نصرت دوبارہ شاملِ حال ہو سکتی ہے اور چمن سے روٹھی ہوئی بہار دوبارہ آ سکتی ہے۔

ہفتۂ توبہ کا آغاز تو ہفتہ 16 جنوری 2009ء سے ہو گیا تھا اور اس روز فوری طور پر بعض مساجد میں ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے لیکن بعد ازاں بیان القرآن کی تقریب رونمائی اور بارش کی وجہ سے باقاعدہ آغاز سوموار 19 جنوری سے کیا گیا۔

اس مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سارا دن کیمپ لگنے سے لوگوں کی توجہ بھی مبذول رہتی ہے، اور بڑے پیمانے پر ہینڈ بلز تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں سے گفتگو بھی کی جا سکتی ہے، لہٰذا تنظیم اسلامی پشاور کے زیرِ اہتمام 4 عدد کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ 570 وال ہینگرز، بینرز، جی ٹی روڈ اور اندرون شہر لگائے گئے۔ نمایاں مقامات پر سٹکرز لگائے گئے۔ کیمپ کے لیے 4 جگہوں کا انتخاب کیا گیا۔

1۔ چوک یادگار 2۔ صدر روڈ پشاور کینٹ 3۔ ہشتنگری بس سٹاپ
4۔ جناح پارک بس سٹاپ

کیمپ کا دورانیہ صبح 9 بجے سے مغرب تک تھا اور اس کے ارد گرد وال ہینگرز اور بینرز لگا کر نمایاں کیا گیا۔ اس کے بعد روڈ کے وسط میں بھی ٹی بورڈز اور وال ہنگرز لگائے گئے۔ اس مہم میں تنظیم اسلامی پشاور کے تقریباً 25 رفقاء نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان کیمپوں کی وجہ سے تقریباً 27 ہزار ہینڈ بلز مختلف علاقوں اور مساجد میں تقسیم کیے گئے۔ تقریباً 10 مقامات پر دروسِ قرآن اور خطابات ہوئے۔ پشاور کے کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ مشرق نے دو مرتبہ تصاویر سمیت خبریں شائع کیں، جس سے اس کی تشہیر صوبہ سرحد کے دیگر علاقوں تک ہو گئی۔ علاوہ ازیں بعض کالم نگار اور زندگی کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے حضرات نے کیمپ میں شرکت کی اور تنظیم اسلامی کی اس تشخیص سے اتفاق کیا جو کہ موجودہ تشویشناک صورتحال سے نکلنے کا ایک واحد راستہ ہے۔

چمن کے مالی موافق بنا لیں اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے چمن سے روٹھی بہار اب بھی

## ایبٹ آباد

توبہ مہم کا آغاز جمعہ 16 جنوری 2009ء بعد نماز عصر مدنی جامع مسجد سلہڈ میں درسِ قرآن سے ہوا۔ ناظمِ تربیت جناب عبد الرحمان رفیع نے سورۃ الانفال کی آیات 24 تا 26 کا درس دیا اور واضح کیا کہ ہمارا بچاؤ برائی کے خلاف آواز اٹھانے میں ہے۔ نیز موجودہ حالات میں پوری قوم اجتماعی توبہ کے ذریعے ہی خوف اور ذلت و مسکنت سے نجات حاصل کر سکتی ہے، بعد ازاں مذکورہ مسجد میں ہی مشاورت کی گئی اور تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ کارنر میٹنگ کا پروگرام بھی طے کیا گیا۔ بینرز لگانے کا آغاز اسی رات کر دیا گیا۔

ہفتہ 17 جنوری کو تشکیل شدہ ٹیموں نے اپنے اپنے علاقوں میں بینرز لگائے۔ ذوالفقار علی اور ان کی ٹیم نے شہر اور اس کے قریبی مضافات میں بینرز لگائے۔ دوسری ٹیم نے

عبدالرحمان رفیع کی قیادت میں منڈیاں اور اس کے گردونواح میں بینرز لگائے۔

تیسری ٹیم نے اجمل خان صاحب کی زیر نگرانی نواں شہر، میر پور اور گردونواح میں بینرز لگائے۔ اس کے علاوہ بعض رفقاء نے انفرادی طور پر اپنے اپنے علاقوں میں بینرز لگائے۔ اتوار 18 جنوری کو بینر لگانے کا کام مکمل کر لیا گیا۔ اسی دن چاندی مسجد اپر ملک پورہ میں نماز کے بعد پمفلٹ تقسیم کیے گئے۔

پیر 19 جنوری بعد نماز عصر مسجد جی پی او ایبٹ آباد سے تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔

پہلی ٹیم نے ذوالفقار علی صاحب کی زیر قیادت کینٹ بازار، مسجد بازار، محلہ نور دین، ٹانچی چوک اور گردونواح میں پمفلٹ تقسیم کیے۔

دوسری ٹیم محمد ہارون قریشی اور راقم الحروف پر مشتمل تھی۔ اس نے مین بازار ایبٹ آباد، فوارہ چوک، مین اڈہ، ایبٹ آباد کے قرب وجوار میں پمفلٹ تقسیم کیے۔

تیسری ٹیم میں عبدالرحمان رفیع اور محمد علی شامل تھے۔ انہوں نے حبیب بینک چوک، جناح روڈ، سربن چوک اور گردونواح میں پمفلٹ تقسیم کیے۔

اس کے علاوہ رفقاء نے انفرادی طور پر بھی پمفلٹ تقسیم کیے۔ اسی طرح رفقاء نے موزوں مقامات پر سٹکرز بھی چسپاں کیے۔ یہ سلسلہ تقریباً ہفتہ بھر جاری رہا۔

جمعرات 22 جنوری کو بعد نماز عصر ایبٹ آباد جی پی او کے قریب سے مظاہرے کا آغاز کیا گیا۔ مظاہرے کے دوران کچھ رفقاء ہینڈ بل بھی تقسیم کرتے رہے۔

رفقاء ٹی بورڈ جن پر توبہ کی منادی کے حوالے سے عبارتیں درج تھیں کے ساتھ مین بازار ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے کینٹ چوک پہنچے۔ جہاں عبدالرحمان رفیع نے خطاب کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ آج ہم جس خوف اور ذلت و مسکنت کا شکار ہیں اس کا واحد حل انفرادی اور اجتماعی توبہ ہے۔ انفرادی طور پر ہر شخص یہ طے کرے کہ اس کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہوگی اور اجتماعی طور پر ہم مل کر اس نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں جس کی خاطر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا یعنی خلافت راشدہ کا نظام، ورنہ اللہ کے عذاب کا کوڑا برسنے والا ہے۔ اس سے بچنے کی صرف یہی تدبیر ہے۔ آخر میں محمد سلطان نے دعا کروائی، دعا پر یہ پروگرام ختم ہوا۔

## مانسہرہ

اتوار 25 جنوری 2009ء کو مانسہرہ میں مظاہرہ ہوا اور ہینڈ بل تقسیم کیے گئے۔ امیر تنظیم ایبٹ آباد کی قیادت میں 15 رفقاء پر مشتمل قافلہ صبح تقریباً دس بجے مانسہرہ پہنچ گیا۔ مقامی رفقاء سرور اور عبدالحکیم بھی موجود تھے۔ بارش کے باوجود مظاہرہ شروع کیا اور ہینڈ بل تقسیم۔ ٹی بورڈز پر پلاسٹک شیٹس چڑھادی گئی تھیں تاکہ بارش کے دوران محفوظ رہیں۔ رفقاء نے سارے بازار کا چکر لگایا۔ اس دوران دو گروپ دائیں، بائیں ہینڈ بل تقسیم کرتے رہے۔ مرکزی بازار جو کہ خاصا طویل تھا تقریباً دو گھنٹے میں مکمل ہوا۔ اس کے بعد نواحی علاقے کا رخ کیا گیا اور وہاں سے رفقاء مظاہرہ کرتے ہوئے واپس مرکزی بازار کی طرف آئے۔ اس دوران ہینڈ بل کی تقسیم جاری رہی۔ نماز ظہر کے بعد مرکزی جامع مسجد مانسہرہ کے صدر دروازے پر مظاہرہ کیا گیا اور عبدالرحمان رفیع نے خطاب کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ آج ہم پر جو ذلت وخواری مسلط ہے، اس کا ایک ہی سبب ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کے وقت اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی ہم نے خلاف ورزی کی ہم نے پاکستان، اسلام کے نفاذ کے لیے حاصل کیا لیکن آزادی کے بعد ہم مکر گئے، جس کی وجہ سے آج ہم پر اللہ کے عذاب کا کوڑا برسنے والا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے سچی توبہ کریں۔ انفرادی زندگی میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اجتماعی طور پر بھی نظام خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اس طرح ہم عذاب الٰہی سے بچ سکتے ہیں۔ محمد سلطان کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

## حلقہ بلوچستان

14 جنوری 2009ء کو امیر کوئٹہ تنظیم، نقباء معہ ذمہ داران کے ساتھ ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں "ہفتہ توبہ" منانے کے حوالے سے مشورہ کیا گیا۔ 16 جنوری 2009ء بروز جمعہ پروگرام سے متعلق سامان کی تقسیم ہوئی۔

سات ہزار ہینڈ بل چھپوائے گئے تھے۔ ان میں سے چھ ہزار ہینڈ بلز تقسیم کیے گئے۔ ان کی تقسیم کے لئے 17 اور 18 جنوری دو دن مختص کیے گئے۔

20,19 جنوری کو 100 پول ہینگر لگائے گئے۔ 21 اور 22 جنوری 2009ء کو پلے کارڈز اور جھنڈوں کے ساتھ ریلی نکالی گئی۔ پہلے دن 25 رفقاء اور 22 احباب نے ریلی میں شرکت کی، جو مختلف سڑکوں اور بازاروں سے ہوتے ہوئے تقریباً ساڑھے چار بجے پریس کلب پہنچ گئے۔ راستے میں دو جگہ پر میگافون کے ذریعے خطاب بھی کیا گیا۔ دوسرے دن تقریباً 36 رفقاء و احباب نے ریلی میں شرکت کی۔ 23 جنوری 2009ء بروز جمعہ شام 4 بجے پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس کی گئی۔ میڈیا کے نمائندوں کے علاوہ 13 رفقاء بھی شریک ہوئے۔

موسم کی شدت کے باوجود رفقاء و احباب نے کافی محنت کی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی سعی وجہد کو قبول فرمائیں۔

**پریس ریلیز** — 30 جنوری 2009ء

## تنظیم اسلامی کے سوات میں فضل اللہ کے ساتھ دینے کے حوالے سے وزیر داخلہ کا بیان صریحاً غلط اور بے بنیاد ہے

## رحمٰن ملک کو غلط بیانی پر فوری طور پر برطرف کیا جائے

**مرزا ایوب بیگ**

تنظیم اسلامی کے ترجمان مرزا ایوب بیگ نے بعض اخبارات میں شائع شدہ مشیر داخلہ رحمان ملک کے سینٹ میں اس بیان کے حوالہ سے کہ "سوات میں فضل اللہ کا ساتھ دینے والوں میں تنظیم اسلامی بھی شامل ہے" پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ صریحاً غلط، بے بنیاد اور سفید جھوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے اہم عہدے پر فائز ایک شخص قومی ادارے میں غلط بیانی سے کام لے یہ ہمارے لیے انتہائی حیرت کا موجب ہے۔ ترجمان تنظیم اسلامی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ رحمان ملک کو فوری طور پر برطرف کیا جائے اور رحمان ملک اپنے اس بیان کو واپس لیں ورنہ ہم ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ قومی اسمبلی اور سینٹ جیسے اداروں میں سرکاری طور پر جو بیانات دیے جاتے ہیں وہ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی)

سید قاسم محمود

کا

# انسائیکلوپیڈیا قُرآنیات

(و دیگر مذاہب کا بحرالعلوم)

ردیف وار......قسط وار......ماہ وار

پانچ سالہ منصوبہ

ہر ماہ ایک قسط 100 روپے......سالانہ 1000 روپے

سالانہ رُکن بن کر اپنی کاپی محفوظ کرائیے


**شاہکار بُک فاؤنڈیشن**

35۔اقبال ایونیو گرین ٹاؤن لاہور 54770

فون: 5429-594۔موبائل: 0301-4498104